دلیل راہ
اگست 2007ء بمطابق رجب المرجب 1428ھ
سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی برکنا حولہ لنریہ من ایتنا انہ ھو السمیع البصیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمیں احمقوں نے گھیر رکھا ہے

قرآن حکیم زندہ کتاب ہے۔اس کا اعجاز ہے کہ یہ اپنے ماننے والوں کو عزت دیتی ہے۔اس کے نظام کو جو اپنائے وہ آبرو مند ہوتا ہے۔اس کی دعوات ظلمتوں میں اُجالوں کا اہتمام کرتی ہیں۔یہ کفر کو حرم اسلام میں اتار کر ہدایت کے نشانات عطا کرتی ہے لیکن دو چیزوں کو یہ اپنے قریب نہیں آنے دیتی۔ایک وہ جو اس کی اصل کو مٹانا چاہے اور ایک وہ جو نفاق کی صورت میں ابھرنا چاہے۔قرآن اس کا لبادہ نہیں بن سکتا۔قرآن آنے والوں کا استقبال کرتا ہے لیکن جانے والوں کو الوداع نہیں کہتا۔قوانین و دساتیر میں اس کی اپنی ایک تاریخ ہے۔قرآن حکیم خود اپنی طرف بلاتا ہے،اپنے مخالفین کو مقابلے کی دعوت دیتا ہے اور پھر ان کو مغلوب کر لیتا ہے۔قرآن حکیم کے نام پر نیکی ہو تو وہ جنت میں ڈھل جاتی ہے اور قرآن حکیم کے نام پر فسق ہو تو قرآن حکیم خود حقائق سے حجاب سرکا دیتا ہے قرآن کے تعزیرات سے کوئی بچ نہیں سکتا۔قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو پالتا ہے۔ان کی نشو و نما کرتا ہے اور جو کچھ وہ کھلاتا ہے اسے نور بنا دیتا ہے اور جو قرآن کے نام کو بیچ کر کھائے قرآن کھانے دیتا ہے لیکن ہضم نہیں ہونے دیتا۔قرآن کے اندر فنی اعجاز کے ''فوق الفکر نور پارے'' ہیں لیکن قرآن حکیم فن کاری نہیں کرنے دیتا۔یہاں کوئی عجز سے آئے اور ''جادو'' کی صدائے دلبرانہ سن کر خاک مدینہ کو سرمہ بنا کر آئے قرآن مجید کے حروف اس کے لئے جنت کے چشمے اور جھرنے بن جاتے ہیں لیکن کوئی شخص دھوکہ و دجل کی سنگین اٹھا کر شیطان کا رفیق سفر بن کر ابھرنا چاہے تو قرآن اسے گھسیٹ کر مکافات کی دوزخ میں جا پٹختا ہے۔قرآن کے سامنے کوئی طاقتور نہیں،کوئی سورما نہیں،کوئی گاما ماجھا جو غرور و استکبار کے نشے میں ہو کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔قرآن کے کشف و اخراج میں عبرتیں ہیں۔قرآن جسے ظاہر کرے رنگین موقلم اور کیمرے بھی ایسا کرنے سے عاجز ہوں اور قرآن جسے چھپانے برقی لہریں بھی وہاں تک جانے سے توبہ کریں۔قرآن اللہ کی کتاب ہے۔قرآن والوں کو اس کی عزت کرنی چاہیئے اس کے نام پر دجل و دھوکہ اور خدع و فریب سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

گذشتہ کئی روز سے ہم دیکھ رہے ہیں ہمارا ملک دھماکوں اور دھوئیں کی لپیٹ میں ہے۔لال مسجد کا واقعہ،ڈیرہ اسمٰعیل خان اور اسلام آباد کے دھماکے اور فوجی گاڑیوں پر حملے،ہمارے خیال میں اس جنگ میں پانچ فریق شریک ہیں۔ایک وہ لوگ جو قرآن کے علمبردار ہیں،دوسرے وہ لوگ جو صرف اور صرف فتنہ و فساد کے پرچارک ہیں،تیسرے حکومتی لوگ،چوتھے غیر ملکی مخفی ہاتھ اور پانچویں مفادات اور سفلی اغراض رکھنے والے دین دشمن اور ملک دشمن عناصر۔ہماری دعوت ہر ایک کے لئے قرآن اور اسوۂ رسول پر قائم ہونے اور رہنے کی ہے۔

لال مسجد کا نام ''لال'' نشان عبرت بن گیا۔ اسلام آباد نے خود ہی اپنے آنگن میں مسجدوں کو لال پیلا کر دیا۔ دھواں چھوڑتی، تعفن اُگلتی اور گولیاں جنم دینے والی بکتر بند گاڑیاں دوہری محکومیت کی تصویریں بن گئیں۔ باریش بزرگوں کے ہمرکاب باریش شیطان نظر آنے لگے۔ انا، تمرد اور سرکشی کے بھوتوں نے حکمرانوں سے مسجد رانوں تک سبھی کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ ضارب ومضروب، قاتل ومقتول، مفرو مقر اور مظہر ومعجز سب کسی دوسرے ہاتھ میں محصور نظر آنے لگے۔

حسن نیت، ایمان واعتماد، خود شناسی اور خدا شناسی ہمیں اُن کے محاصرے سے نکال سکتی ہے۔ ایک حدیث ہے یا کسی بزرگ کا مقولہ ''جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ ابلیس ہے''۔ تشتت وافتراق کے ماہرین علماء، مفروروں اور قاتلوں کے سفیر مذہبی کارکن، جگا ٹیکس اور غنڈہ ٹیکس لینے والے بہروپیے، مدرسہ میں روپوش دادا گیر، پینٹ پوش مجاہدات، برقعہ آسا مجاہد اور وائٹ ہاؤس سے رہنمائی لینے والے حکمران۔۔۔۔ سب ''صراط مستقیم'' کو فراموش کر دینے والے ہیں۔ اصل المیہ تفہیم دین کے نہ رہنے کا ہے۔ لگتا ہے جیسے جنگل کے درندے آپس میں لڑ پڑے ہیں۔ بے گناہ اور معصوم جانوں کا ضیاع کیا جارہا ہے۔ پچھلے دنوں کرفیو کے دوران گرفتار ہونے والے ایک مجذوب نے خوب کہا تھا:

''میری بات کون سمجھے مسجد والے بھی بے وقوف ہیں اور حکمران
بھی احمق مصیبت تو یہ ہے کہ ہم احمقوں میں گھرے ہوئے ہیں''

اے لوگو! اپنی صلاحیتیں، اہلیتیں اور وسائل ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرکے ضائع نہ کرو۔ سب ایک اور نیک ہو کر اپنے مشترکہ دشمن کے سامنے برسرپیکار ہوں۔ پاکستان کو اللہ کی نعمت تصور کرو، اس کی حفاظت مذہبی فریضہ جانو اور شیطان کے داؤ میں نہ آؤ۔ اس لئے کہ اس نے تو قسم کھا رکھی ہے تمہیں برباد کرنے کی اور تباہ کرنے کی۔ وہ تمہیں فسادات کی جہنم میں ڈال کر کسی دوسرے مشن میں لگ جاتا ہے۔ قرآن حکیم زندہ کتاب نے شیطان کا مقصد کس خوبصورت اسلوب میں بیان کیا تم بھی اسے پڑھو اور سبق حاصل کرو اور شیطان کی راہ نہ چلو۔

وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا
لَّعَنَهُ اللّٰهُ
وَقَالَ
لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا
وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ
وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا (النسآء: ۱۱۹)

اور درحقیقت یہ سرکش شیطان کی پوجا کرتے ہیں
اللہ نے انہیں رحمت سے دور کر دیا
اور کہا اس نے
میں تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ
ضرور لے کر رہوں گا
اور انہیں راہ راست سے
بھٹکاؤں گا
اور انہیں ضرور باطل اُمیدیں
دلاؤنگا
اور انہیں ضرور حکم دونگا
کہ جانوروں کے کان چیر دیں
اور انہیں حکم دونگا
کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بگاڑ دیں
اور جو اللہ کے سوا
شیطان کو دوست بناتا ہے
وہ صریح نقصان میں پڑ جاتا ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری قوم کو قرآن کی عبرتیں زندگی ساز بنانے کی توفیق دے اور ہم جو قتل مقاتلہ اور فساد میں جا پڑے ہیں اللہ تعالیٰ پھر صراط مستقیم نصیب فرمائے اور درندہ صفت لوگوں کو انسانیت اور اسلامیت نصیب فرمائے۔

سید ریاض حسین شاہ

حاکم کا فیصلہ حقیقت کو بدل نہیں سکتا

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن ام سلمة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ انكم تختصمون الیّ و لعل بعضكم ان یكون الحن بحجته من بعض فاقضی له علی نحو ما سمع منه فمن قطعت له من حق اخیه شیأً فلا یأخذه فانما اقطع له به قطعة من النار

(صحیح مسلم جلد ۲، ص ۷۴، بیان ان حکم الحاکم لا یغیر الباطن)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بیشک تم اپنے معاملات میرے پاس لاتے ہو اور ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی شخص دوسرے آدمی کے مقابلے میں اپنی دلیل پیش کرنے میں زیادہ تیز ہو پس میں جو اس سے سنوں اس کے مطابق فیصلہ کردوں تو جس شخص کو (اس ظاہر کے مطابق فیصلے کی وجہ سے) اس کے (مسلمان) بھائی کا حق دے دوں تو وہ اسے نہ لے بے شک میں اس فیصلے کی بنیاد پر (جو باطن کی بجائے ظاہر پر مبنی ہے) اس کے لئے جہنم کا ایک ٹکڑا الگ کرتا ہوں۔

"خصومت" جھگڑے اور مقدمہ بازی کو کہتے ہیں اور "تختصمون" باب افتعال سے جمع مذکر حاضر مضارع معروف کا صیغہ ہے اور ایک دوسرے سے جھگڑنے اور مقدمہ بازی کا معنی دیتا ہے۔

"الحن" لحن سے بنا ہے اسم تفضیل کا صیغہ ہے چونکہ لحن لہجہ اور طرز گفتگو کو بھی کہتے ہیں لہٰذا الحن (اسم تفضیل) کا معنی بہت بولنے والا اور زبان دراز ہے۔

اخیہ (اس کا بھائی) فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ انما المومنون اخوة (سورہ حجرات: ۱۰) "تمام مومن آپس میں بھائی ہیں" کے تحت دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھا جائے اور جس طرح کوئی شخص اپنے سگے بھائی کا حق نہیں مارتا اسی طرح ہر مسلمان اس کا بھائی ہے لہٰذا اسے اس کا حق بھی نہیں مارنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ انداز تبلیغ و تربیت نہایت موثر ہے اور ایسی حکمت بھری تبلیغ کی طرف مبلغین اسلام کو متوجہ ہونا چاہیے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے والی پہلی خاتون ہیں

اس حدیث کی راویہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کا نام ہند ہے اور ام سلمہ کنیت ہے، والد کا نام حذیفہ اور بقول بعض سہیل تھا۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر کنانیہ تھا۔ آپ کے پہلے خاوند آپ کے چچازاد ابوسلمہ (رضی اللہ عنہما) دونوں قدیم الاسلام ہیں اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی پھر مکہ مکرمہ آئے اور وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے والی پہلی خاتون ہیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بدر و احد میں شریک ہوئے احد کے دن زخمی ہوئے زخم ٹھیک ہونے کے بعد دوبارہ پھوٹ پڑا اور ۸ جمادی الاخریٰ ۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ کے نکاح میں جانے کا شرف حاصل کیا۔ آپ سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں جن میں سے تیرہ پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں۔ ازواج مطہرات میں سے سب سے آخر میں ۸۴ برس کی عمر میں بقول واقدی شوال ۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (تلخیص از سیرت رسول عربی علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ ص: ۶۰۴-۶۰۳)

اس حدیث شریف کا بنیادی موضوع ان لوگوں کو جہنم سے ڈرانا ہے جو اپنی زبان درازی یا کسی ہوشیار و چالاک وکیل کے ذریعے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے بلکہ وہ بظاہر کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس طرح وہ دوسروں کے مال پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ درحقیقت یہ مال ان کا نہیں ہے۔

قانونی انداز میں حاصل کردہ مال اور غنڈہ گردی کے ذریعے حاصل کئے گئے مال میں کوئی فرق نہیں ہے

اسی طرح اس حدیث کے موضوع میں یہ بات بھی شامل ہے بلکہ بنیادی موضوع یہی ہے کہ قاضی، اسلام کے بتائے ہوئے قانون اور ضابطہ کے مطابق فیصلہ کر دے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا لیکن جب وہ حقائق کے خلاف ہو تو اس فیصلے سے حقیقت نہیں بدلے گی اور یوں مدعی کے لئے وہ مال حلال نہیں ہوگا جو اس نے اپنی زبان درازی اور جھوٹے دلائل کی وجہ سے عدالت میں ثابت کیا اور قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس لئے اس بظاہر قانونی انداز میں حاصل کردہ مال اور غنڈہ گردی کے ذریعے حاصل کئے گئے مال میں کوئی فرق نہیں ہے۔

درحقیقت معاشرتی زندگی کا انتظام ظاہر پر مبنی ہوتا ہے اور امور باطنیہ کا علم ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو غیبی علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے جب فیصلہ کرنے کے لئے مصنفین منصب عدالت پر فائز ہوتے ہیں تو مقدمات کا فیصلہ غیب کی بجائے ظاہر کے مطابق کرتے ہیں اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے دوسری روایت میں یہ بھی فرمایا "انما ان ابشر وانہ یاتینی الخصم" بے شک میں بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) اور میرے پاس کوئی مدعی آتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں خدا نہیں ہوں کہ اپنے آپ غیب پر مطلع ہو جاؤں اس لئے میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔

دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے بچیں

یہاں ایک بات کا ازالہ ضروری ہے بعض حلقوں کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ نبی کو غیب کا علم نہیں ہوتا اس لئے حضور ﷺ نے یہ بات فرمائی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوچ قرآن وسنت کے سراسر خلاف ہے قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اور واقعات اس بات پر شاہد وعادل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص امام الانبیاء ﷺ کو غیب کی باتوں پر مطلع فرماتا اور امور غیبیہ کا علم عطا فرماتا ہے۔

چونکہ منصب قضا پر صرف رسول اکرم ﷺ فائز نہیں ہوئے بلکہ قیامت تک لوگ اس منصب پر فائز ہوتے رہیں گے اور سب کو غیب پر مطلع نہیں کیا جاتا اس لئے قضا کا نظام ظاہر پر قائم کیا گیا۔

شارح صحیح مسلم معروف محدث حضرت علامہ امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قولہ انما انا بشر معناہ التنبیہ علی حالۃ البشریۃ و ان البشر لایعلمون الغیب و بواطن الامور شیئاً الا ان یطلعھم اللہ تعالیٰ علی شئی من ذالک و انہ یجوز علیہ فی امور الاحکام ما یجوز علیھم و انہ انما یحکم بین الناس بالظاھر (حاشیہ صحیح مسلم جلد دوم ص ۷۴، بیان ان حکم الحاکم لایغیر الباطن)

آپ کا یہ فرمانا کہ میں صرف بشر ہوں (یعنی معبود نہیں بلکہ بے مثل بشر ہوں) اس سے مقصود حالت بشریت سے آگاہ کرنا ہے اور یہ بات بتانا ہے کہ بشر غیب کی باتوں اور باطنی امور میں سے کسی بات کو اس وقت تک نہیں جانتے جب تک اللہ تعالیٰ ان کو ان باتوں میں سے کسی بات پر مطلع نہ کرے نیز احکام کے معاملے (یعنی فیصلوں میں) آپ کے لئے وہی بات درست ہے جو دوسروں کے لئے صحیح ہے اور وہ لوگوں کے درمیان ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

گویا رسول اکرم ﷺ نے بتایا اے لوگو! اگرچہ میرا رب مجھے باطنی امور پر مطلع فرماتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ حق کس طرف ہے اور کون حق پر ہے لیکن میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں غیبی علم کے مطابق نہیں کرتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو ظاہری امور کا مکلف بنایا گیا اور اس سلسلے میں آپ نے خود یہ ضابطہ بیان فرمایا:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۶، باب الاقضیۃ والشہادات، فصل اول)

مدعی پر گواہ پیش کرنا اور منکر (مدعی علیہ) پر قسم ہے۔

یعنی مدعی اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ کو قسم دی جائے لہٰذا قاضی کا فیصلہ اسی بنیاد پر ہوگا چونکہ یہ بات ممکن ہے کہ کوئی شخص جھوٹے گواہ پیش کرے اور یوں دوسرے کا حق غصب کرلے یا مدعی گواہ پیش نہ کر سکے اور مدعی علیہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جھوٹی قسم کھائے اور یوں وہ دوسرے کا حق مارے اگرچہ اس سلسلے میں قاضی کا فیصلہ درست قرار پائے گا کیونکہ وہ ظاہری قانون پر عمل درآمد کا مکلف ہے اور باطنی امور پر مطلع نہیں ہے۔

اس لئے رسول کریم ﷺ نے بتایا کہ مدعی اگر جھوٹا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جس چیز پر وہ دعویٰ کر رہا ہے وہ اس کی نہیں اور قاضی کا فیصلہ اگرچہ بظاہر درست ہے لیکن حقیقت میں وہ ٹھیک نہیں لہٰذا اس شخص کو چاہئے کہ وہ اس مال کے ذریعے جہنم کی آگ کا مستحق نہ بنے اور آخرت کی فکر کرتے ہوئے فوراً دستبردار ہو جائے چنانچہ دور

رسالت میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جو آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ سنن ابی داؤد شریف میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس دو شخص حاضر ہوئے جو وراثت کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے اور ان کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا محض دعویٰ تھا تو رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا حدیث مذکورہ بالا میں ذکر ہے کہ ایسا شخص جہنم کا ٹکڑا حاصل کر رہا ہے یہ سن کر وہ دونوں شخص رونے لگے اور ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کہا میرا حق بھی تمہارے لئے ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم نے یہ کام کیا ہے تو اس کو تقسیم کرو اور حق بات کی تلاش کرو پھر قرعہ اندازی کر کے (لے لو) اور ایک دوسرے کو معاف کر دو (سنن ابی داؤد کتاب القضا، باب قضا القاضی اذا اخطا جلد ۲ ص ۱۴۹)۔

علماء حدیث نے اس حدیث کی نہایت دیانت داری سے تشریح و توضیح کرتے ہوئے امت مسلمہ کو فلسفہ دین اور فقہ الحدیث سے آگاہ کیا۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمائی کہ جب قرآن و سنت کے مطابق انبیاء و رسل علیہم السلام کو غیبی امور پر مطلع کیا جاتا ہے اور ان کو علم غیب عطائی حاصل ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے رب کی طرف سے حاصل ہونے والے غیبی علم کی بنیاد پر فیصلہ نہیں فرماتے تھے بلکہ ظاہر کے مطابق فیصلہ فرماتے حضرت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" انما کلف الحکم بالظاھر و ھذا نحو قولہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالو ھا عصموا منی دمائھم و اموالھم " (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۷۴)

آپ ظاہر کے ساتھ فیصلہ کے مکلف تھے اور یہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول کی طرح ہے (آپ نے فرمایا) مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں (کفار) سے لڑوں حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) پڑھیں جب وہ کلمہ طیبہ پڑھ لیں تو مجھ سے (یعنی مسلمان حکمران اور فوج سے) ان کے خون اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی دل سے ایمان نہیں رکھتا اور حضور ﷺ کو اس بات کا علم بھی حاصل ہے تب بھی آپ اس کے کلمے کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے ساتھ وہ رویہ اختیار فرماتے جو دیگر مسلمانوں کے ساتھ اختیار فرماتے اور اس شخص کے خون اور مال کو تحفظ حاصل ہو جاتا۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و لو شاء اللہ تعالیٰ لا طلعہ ﷺ علی باطن امر الخصمین فحکمہ بیقین نفسہ من غیر حاجۃ الی شھادۃ او یمین لکن لما امر اللہ تعالیٰ احتہ باتباعہ والاقتداء باقوالہ وافعالہ و احکامہ اجریٰ لہ حکمھم فی عدم الاطلاع علی باطن الامور لیکون حکم الامۃ فی ذالک حکمہ فاجری اللہ تعالیٰ احکامہ علی الظاھر الذی یستوی فیہ ھو غیرہ لیصح الاقتداء بہ و تطیب نفوس العباد للانقیاد للاحکام الظاھرۃ من

غیر نظر الیٰ الباطن واللہ اعلم (حاشیہ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۷۴)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو رسول اکرم ﷺ کو مقدمے کے دونوں فریقوں کے باطن پر مطلع کر دیتا پس

آپ گواہی یا قسم کی ضرورت کے بغیر ذاتی یقین کی بنیاد پر فیصلہ فرماتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت کو آپ کی اتباع اور آپ کے اقوال، افعال اور احکام کی اقتدا کا حکم دیا تو آپ کے لئے وہ حکم جاری کیا جو ان (افرادِ اُمت) کے لئے جاری کیا کہ باطنی امور پر اطلاع نہ دی تا کہ آپ کا اور اُمت کا معاملہ ایک جیسا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیصلے کو ظاہر پر جاری کیا تا کہ اس سلسلے میں آپ کا اور دوسروں کا معاملہ برابر ہو جائے اور اقتدا صحیح ہو جائے اور لوگ ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے میں خوشدلی سے آپ کی اقتدا کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ عدالتی فیصلہ حضور ﷺ کی ساتھ خاص نہیں اور باقی منصفین کو غیب پر مطلع نہیں کیا جا سکتا اس لئے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا تا کہ سب کا فیصلہ ایک جیسا ہو اور حضور ﷺ کی اقتداء میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی جائے۔

اس حدیث میں یہ درس دیا گیا کہ اگر چہ عدالت بظاہر تمہارے حق میں فیصلہ دے دے لیکن جب تم جانتے ہو کہ وہ تمہارا حق نہیں تو عدالتی فیصلہ سے وہ چیز تمہارے لئے جائز قرار نہیں دی جائے گی اور قیامت کے دن ادائیگی نہیں ہو سکے گی لہٰذا آج وقت ہے کہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رزق حلال اختیار کرنے اور حرام بالخصوص دوسروں کے مال کو ہڑپ کرنے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

❁ ❁ ❁

شیخ الحدیث

علامہ محمد شریف رضوی

سے ایک ملاقات

ارشد محمود ارشد - نعیم طاہر - احمد علی صدیقی - سجاد احمد

شیخ الحدیث علامہ محمد شریف رضوی صاحب طرز عالم دین ہیں۔ پنجاب کے دور افتادہ شہر بھکر میں سکونت گزیں ہیں۔ ایک عرصہ سے حدیث کی تدریس کا شرف حاصل ہے۔ انتہائی کھرے انسان ہیں۔ خارزارِ سیاست میں قدم جمانے میں بظاہر ناکامی ہوئی لیکن نظریاتی میدان میں مستقیم دعوات کے ہمیشہ امین رہے۔ دلیل راہ نے فیضانِ صحبت کو ارزاں کرنے کی غرض سے شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ قارئین محسوس کریں گے کہ ان کی فرمائی ہوئی باتیں عمیق اور مستند ہیں۔

✿ دلیل راہ:۔ آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

☆ شیخ الحدیث:۔ تاریخ پیدائش 1934 ہے شناختی کارڈ پر یہی درج ہے۔ ضلع میانوالی قصبہ موضع خولہ ایک گاؤں موضع جلال کھواں والا۔

✿ دلیل راہ:۔ اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارے میں کچھ بتایئے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ ابتدائی تعلیم یعنی مڈل تک خولہ میں ہی حاصل کی۔ فارسی کی تعلیم اپنے چچا جناب گل محمد صاحب سے حاصل کی جو کہ فارسی زبان پر مہارت رکھتے تھے۔ صرف و نحو کی تعلیم جناب مولانا غلام یٰسین صاحب سے جو کہ ضلع میانوالی کے ایک گاؤں ہڈپلاں میں قیام پذیر تھے۔ اس کے علاوہ میرے اساتذہ کرام میں مولانا غلام محبوب صاحب، مولانا مفتی محمد حسین شوق صاحب اور مولانا فیض احمد صاحب شامل ہیں۔ منطق و نحو کی تعلیم خصوصی طور پر مولانا فیض احمد صاحب سے حاصل کی۔

✿ دلیل راہ:۔ آپ کے ہم مکتب و ہم درس حضرات میں سے کوئی جسے آپ قابل ذکر سمجھتے ہوں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ دوران تدریس تو سبھی برابر تھے مگر بعد میں جب میں ادھر تھا تو یہاں تو معروف نہیں ہیں۔ مولانا عبدالصمد صاحب مرشد آباد شریف، مولانا حق نواز صاحب ڈیرہ اسماعیل خان والے اور مولانا محمد اکبر صاحب جو میرے چچا زاد بھائی بھی تھے اور اب بھی ہیں مجھے تو سب پسند تھے مگر سینیوں میں سے مولانا فیض احمد صاحب اور مولانا مفتی محمد بخش شوق صاحب جن کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ وقت کے ولی تھے جہاں قابلیت کے ساتھ ساتھ باعمل بھی تھے میں نے دیکھا ہے کہ فرائض کے ساتھ ساتھ سنتوں کے علاوہ بالکل ان کے مستحبات بھی مشکل ہی سے قضا ہوتے تھے۔ حدیث شریف مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان سے پڑھی ہے۔

✿ دلیل راہ:۔ بچپن کے کوئی اور مشاغل یا کھیل وغیرہ جس میں آپ نے حصہ لیا؟

☆ شیخ الحدیث:۔ کوئی خاص نہیں

مولانا فیض احمد اور مفتی محمد بخش شوق وقت کے ولی تھے

محنت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا دور مدرسین پیدا کرنے سے محروم ہے

✿ دلیل راہ:۔ آپ کا دور طالبعلمی تعلیم و تعلم کے اعتبار سے بڑا زرخیز تھا آج کل کے علمی ماحول کے بارے آپ کچھ کہنا جائیں گے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ اس وقت یہ تھا کہ مجھے یاد نہیں کہ ہم نے کبھی ایک سطر بھی بغیر مطالعے کے پڑھی ہو۔ محنت کا دور تھا اساتذہ خود محنت کرواتے تھے مثلاً ہم ہدایہ پڑھ رہے ہیں تو وہ متن کی تقریر کبھی نہیں فرماتے تھے وہ کہتے یہ آپ نے قدوری میں پڑھا ہوا ہے آپ خود اس کو بیان کریں۔ تو بالکل ہم رات کو مطالعہ کرتے محنت کرتے اور صبح اساتذہ کے سامنے متن پڑھنے کے بعد اس کتاب کو خود بیان کرتے جو رات کو سمجھ کر آئے تھے اور پھر اس کے بعد اساتذہ ان پر مزید گفتگو کرتے۔ آج کل چونکہ محنت نہیں ہے۔ محنت طلبہ کو کرنے چاہیے لیکن نہیں کرتے اس لئے مدرس بہت کم پیدا ہو رہے ہیں۔ سہولتیں بہت زیادہ ہیں ہمارے دور میں سہولتیں نہیں تھیں۔ خورد و نوش کی سہولتیں بھی نہیں تھیں یہ آسائش بھی نہیں تھی، کمرے جات وغیرہ، پنکھے وغیرہ اور اب سہولیات بہت زیادہ ہیں طلبہ کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے مگر محنت کم ہوتی ہے۔

✿ دلیل راہ:۔ اپنے آباء و اجداد کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میرے والد صاحب تو ایک کاشتکار تھے اور میرے دادا جان اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے اور پردادا جان بھی عالم تھے اور ہمارا خاندان جو ہے وہ دراصل ہمارا جو وطن تھا خولہ پرانا وہ اوچھالی کے قریب ایک گاؤں تھا کوٹلی وہاں سے ہمارے دادا کے دادا جو والد صاحب تھے وہ گئے تھے بھکر اور وہاں اب بڑا قبرستان ہے۔ اوچھالی جو مشہور ہے۔ سخی بابا رحمۃ اللہ علیہ ان کی ہم اولاد میں سے ہیں۔

میں نے وعظ اور تبلیغ کا آغاز چیلیاں سے کیا لیکن اسے باقاعدگی فیصل آباد سے ملی

دلیل راہ:۔ آپ نے پہلی تقریر کب کی اور باقاعدہ خطابت کا آغاز کہاں سے ہوا؟

☆ شیخ الحدیث:۔ دوران تعلیم میں نے بچپاں میں کچھ تقاریر کی ہیں۔ ابتداء وہاں سے ہوئی اور باقاعدہ یہاں فیصل آباد میں جب دورہ حدیث پڑھنے کے لیے حاضر ہوا تو حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جمعہ پڑھانے کے لیے سرگودھا بھیجا تو میں نے پہلا جمعہ سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا کی مسجد میں پڑھایا1956ء میں۔

دلیل راہ:۔ آپ کا انداز خطابت عام خطباء سے بالکل مختلف ہے کیا آپ خود کسی مقرر سے متاثر ہیں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میں سادہ تقریر کرتا ہوں۔ شعروشاعری سے گریز کرتا ہوں۔ نثر اور لے تو میری ہے نہیں جو طرز حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تھی سادہ الفاظ۔ جتنا میں نے آپ سے فیض حاصل کیا یا جس قدر میں آپ سے متاثر ہوں میں کسی سے بھی اتنا متاثر نہیں ہوا۔

دلیل راہ:۔ آپ کی زندگی کتابوں کے جہاں میں بسر ہوئی کوئی کتاب جسے آپ بے حد پسند کرتے ہوں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میں ہمیشہ کوشش یہ کرتا رہا ہوں کہ پڑھائی کے دوران مجھے قانون میں سے بھی اور فقہ میں سے بھی جو کتابیں میسر آجاتی تھی اور جب میں نے دورہ حدیث شریف یہاں حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں پڑھایا تو اس وقت خاص طور پر عمدۃ القاری، فتح الباری، زرقانی، مشکوۃ المصابیح غالباً سب کا میں مطالعہ کرتا تھا اور فیض الباری بھی ساتھ رکھتا تھا انور شاہ کشمیری کی، عمدۃ القاری میری پسندیدہ کتاب ہیں۔

دلیل راہ:۔ آپ کا پسندیدہ لفظ؟

☆ شیخ الحدیث:۔(مسکراتے ہوئے) کچھ کہہ نہیں سکتا۔ جی۔ بس ہر ایک کو جی کرنا پسند کرتا ہوں۔

دلیل راہ:۔ رہنماؤں کی تاریخ میں کوئی رہنما جس سے آپ متاثر ہوں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ مذہبی رہنما سب سے زیادہ میں حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو پسند کرتا ہوں اور ویسے جو پہلے عالم تھے وہ عالم باعمل لوگ تھے تو میں ان سے بھی متاثر ہوں لیکن جو میں نے یہاں آکر دیکھا حضرت کی خدمت میں وہ میں نے کہیں بھی نہ کسی پیر میں دیکھا ہے نہ کسی عالم میں۔

وعظ و بیان میں حضرت محدث اعظم سے جتنا متاثر ہوں کسی اور سے نہیں

میں سیاسی ہوں نہیں لیکن جمعیت علمائے پاکستان میں نورانی صاحب اور نیازی صاحب کے ساتھ کام کیا ہے۔اس دور میں میں جمعیت علمائے پاکستان کا صوبائی سیکرٹری بھی رہا ہوں اور مرکزی جوائنٹ سیکرٹری بھی رہا ہوں لیکن پھر میں نے سیاست چھوڑ دی۔اب عملی طور پر میں کسی کے ساتھ نہیں ہوں البتہ صاحبزادہ فضل کریم صاحب چونکہ حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جگر گوشہ ہیں عقیدتاً احتراماً میں ان کا ساتھ دونگا۔

✿ دلیل راہ:۔ قیام پاکستان سے اب تک حکمرانوں میں سے کوئی ایسا حکمران جس نے آپ کو متاثر کیا ہو؟

☆ شیخ الحدیث:۔(ذرا ہچکچاتے ہوئے فرمایا) کہنا تو نہیں چاہیے مگر کیا کیا جائے حکمران برے ہی آتے ہیں اچھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ویسے ایوب خان کے دور کے بعد غور کرنا شروع کیا۔اس کے بعد کے حکمرانوں کو دیکھا ہے لیکن کوئی بھی قابل ذکر اسلامی شریعت کی بات کرنے والا نہیں تھا۔(لکھنے سے منع کر دیا) سابقہ مارشل لاء ڈکٹیٹر نے جو کیا آج اس کے برے نتائج بھگتنا پڑ رہے ہیں۔

عمدۃ القاری میری پسندیدہ کتاب ہے

✿ دلیل راہ:۔اخبار بینی علماء کی ضرورت ہے۔آپ کا پسندیدہ اخبار کونسا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔نوائے وقت زیادہ پڑھتا ہوں ویسے دوسرے اخبار بھی دیکھتا ہوں لیکن پسندیدہ اخبار نوائے وقت ہے۔

✿ دلیل راہ:۔ کالم بھی پڑھتے ہیں یا صرف خبریں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میں خبریں پڑھتا ہوں۔کالم نگاروں میں میم شین کے کالم بڑے شوق سے پڑھتا تھا۔

✿ دلیل راہ:۔ زندگی میں آپ کو بے شمار لوگ ملے کوئی ایسی ملاقات جسے آپ بھلا نہ پاتے ہوں؟

☆ شیخ الحدیث:۔پھر وہی بات کرتا ہوں کہ حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے بعد کوئی نام جچا ہی نہیں۔

✿ دلیل راہ:۔ کوئی ایسا اجتماع جسے یادگار کہا جا سکے؟

☆ شیخ الحدیث:۔میں نے 1970ء میں جو الیکشن ہوئے اس میں پنجاب کی طرف سے جب خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جمعیت علمائے پاکستان کے صدر تھے تو میں نے نشتر پارک کراچی میں تقریر کی تھی اور اس کا موضوع تھا "لارڈ میکالے کا دیا ہوا نظام تعلیم" اس پر میں نے تقریر کی تھی بہت سراہی گئی تھی۔اسے کامیاب کہا جاتا ہے اور اس کے علاوہ مختلف کانفرنسوں میں تقریر کرنے کا موقع ملتا رہا ہے۔

✿ دلیل راہ:۔کوئی ایسی خواہش جو باوجود محنت اور کاوش پوری نہ ہوئی ہو؟

☆ شیخ الحدیث:۔میں ایسی کوئی خواہش نہیں کی جو پوری نہ ہوئی ہو۔اب خواہش جو ہے وہ اللہ کرے کا ضروری پوری ہو جائے گی خاتمہ ایمان پر ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہو جائے۔

✿ دلیل راہ:۔ آپ کی زندگی کا خوش گوار ترین دن کون سا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔(کافی دیر خیالوں میں کھوئے رہے اور نہایت جذباتی انداز میں فرمایا کہ) دوران تعلیم سبق ادھر ادھر کبھی کوئی بھی آ جاتا تو آپ توجہ نہیں فرماتے تھے۔میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا تو طلبہ کے ساتھ بیٹھ گیا آپ کے پیچھے تکیہ پڑا ہوا تھا آپ نے کبھی تکیہ لگایا نہیں تھا (تو آپ نے فرمایا) کہ میرے پاس آ کر بیٹھو یہ آپ کی شفقت اور مہربانی تھی ورنہ میں تو اس قابل نہ تھا۔آپ نے سبق روک کر فرمایا کہ میرے پاس آ کر بیٹھو تو میرے اندر جرأت نہیں تھی کہ میں آپ کے ساتھ جا کر بیٹھ جاؤں۔لیکن آپ نے بار بار فرمایا کہ میرے ساتھ آ کر بیٹھ جاؤ تو میں اٹھا اور جو تکیہ آپ کے پیچھے رکھا ہوا تھا اس کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا۔چونکہ تکیہ درمیان میں آ گیا تھا تو آپ نے اپنے دست کرم سے وہ تکیہ اٹھا لیا اور اٹھا کر فرمایا بندۂ خدا یہ الفاظ مجھے یاد ہیں۔حد فاصل (اتنے جذباتی ہو گئے کہ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی) یہ فرما کر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس بزرگوں کی امانتیں ہیں میں تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں ایک وہ دن اور ایک یہ دن کہ جب آپ نے مجھے اپنے یہاں

حدیث پاک پڑھانے کے لیے بلایا حکم دیا تو آپ کا دینوی زندگی میں آپ کا وصال تھا ادھر ادھر سے کافی طلب اور علماء آئے تھے میں نوعمر تھا آپ نے مجھے بلایا ہوا تھا تو طلب نے کہا اساتذہ کو مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو آپ شروع کرادیں۔ اور پھر جس کے بعد آپ کہیں گے ہم پڑھتے رہیں گے یہ ان کا اصرار تھا جو باہر سے آتے ہوئے آپ نے فرمایا (میرا نام لیکر) شروع بھی وہی کرائے گا اور ختم بھی وہی کرائے گا اور یہ فرمایا (یہ الفاظ میرے لئے بہت بڑی سعادت کے ہیں) کہ زبان (میرا نام لے کر) اس کی ہوگی اور بات سردار احمد کی ہوگی یہ دو دن ہیں جو میری زندگی کا سرمایہ حیات ہیں۔

میری پاس بزرگوں کی امانتیں ھیں میں تمھیں سپرد کرنا چاھتا ھوں

✿ دلیل راہ:۔ آپ کے نزدیک کامیابی کا راز کیا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ اساتذہ کا ادب بزرگوں کا ادب اور اپنے بڑوں کا ادب

۔

✿ دلیل راہ:۔ دیہاتی زندگی پسند ہے یا شہری؟

☆ شیخ الحدیث:۔ رہا تو میں زیادہ شہروں میں لیکن۔۔۔؟

✿ دلیل راہ:۔ پسندیدہ شاعر کون ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میں تو نعت شریف سننا پسند کرتا ہوں خصوصاً اعلیٰ حضرت کی۔

✿ دلیل راہ:۔ کیا آپ نے خود بھی شاعری میں کبھی طبع آزمائی کی؟

☆ شیخ الحدیث:۔ نہ میں شاعر ہوں نہ شعر پڑھنے پسند کرتا ہوں

✿ دلیل راہ:۔ اپنے بچوں کے بارے میں کچھ بتائیں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میرے چار بیٹے ہیں تین بیٹیاں۔ میرا بڑا بیٹا وہ سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تھوڑی جو آبائی زمینیں ہیں وہاں کاشت کاری کرتا ہے۔ اس سے چھوٹا وہ تنظیم المدارس سے فارغ ہے اور عربی ٹیچر بھی ہے سکول میں اس وقت مدرسے کا ناظم بھی وہی ہے۔ اس سے جو چھوٹا ہے وہ فارغ التحصیل بھی ہے تنظیم کا، ہومیو پیتھک اور طب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنا کلینک چلا رہا ہے اس سے جو چھوٹا ہے وہ بھی فارغ التحصیل ہے تنظیم کا اور وہ اپنے دار العلوم میں پڑھاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے گفتگو فرمائی اور پھر ...... لکھنے سے منع فرمادیا لیکن اسلامی شریعت کے نافذ نہ ہونے کا درد چھلک رہا

✿ دلیل راہ:۔ آپ نے کہیں درس قرآن وحدیث وغیرہ کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ اس وقت نہیں۔

✿ دلیل راہ:۔ دارالعلوم کے بارے میں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ دورہ حدیث شریف جامعہ رضویہ میں پڑھایا۔ اس کے بعد ملتان میں دس سال تک پڑھایا۔ حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہم اکٹھے پڑھاتے تھے۔ (اچانک ان کو اس ضمن میں ایک بات یاد آ گئی تو فرمایا) جب مجھے ملتان بلایا گیا تو اس میں لکھا تھا ''سنن اربع'' میرے استاد محترم قبلہ مفتی محمد حسین شوق صاحب ان سے علامہ غزالی زماں نے فرمایا کہ حدیث شریف پڑھانے کے لیے ایک مدرس چاہیے۔ انہوں نے میرا نام دے دیا۔ فرمایا کہ سنن اربع پڑھانی ہے اور خاص طور پر مجھے اپنے ذاتی کتب خانے سے کتابیں دیں اور فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ اگر آپ کو کبھی پڑھانی پڑیں تو زیادہ محنت نہ کرنے پڑے اور زیادہ تکلیف نہ ہو۔ آپ کے وصال کے بعد پہلی دعوت جو آئی وہ سنن اربع پڑھانے کی آئی۔ جب ملتان گیا تو بخاری شریف حضرت مولانا غزالی زماں خود پڑھاتے تھے۔ باقی کتابیں میں پڑھاتا تھا۔ ایک دن میں مسلم شریف کا سبق پڑھا کر لیٹ گیا اور دل میں خیال آیا کہ میں بخاری شریف جامعہ رضویہ میں پڑھاتے ہوئے اتنی محنت کی ہے اور جہاں مجھے سنن اربع پڑھانی پڑ رہی ہے۔ اگر میرے پاس بخاری شریف ہوتی تو بڑا مزا آتا۔ یہ میرے دل کی خواہش تھی اور میں

لیٹ گیا اور اونگھ آ گئی تو حضور محدث اعظم خواب میں تشریف لائے اور مجھے فرمانے لگے کہ مولانا فکر نہ کریں بخاری شریف بھی آپ کو مل جائے گی۔ ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی ادھر ظہر کی اذان ہونے لگی نماز پڑھنے کیلئے گئے شاہ صاحب نے بھی نماز وہاں ادا کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ تو تھوڑی دیر کے بعد اسی وقت شاہ صاحب بخاری شریف اٹھائے ہوئے اور اپنے بچے سجاد شاہ کو ساتھ لئے میرے کمرے میں تشریف لائے اور مجھے کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے پاس کام زیادہ ہے لیکن یہ میرا بچہ ہے اس کے ابتدائی اسباق ہیں اور میری خواہش ہے کہ میرے بچے کو آپ پڑھائیں۔ یہ فرمانے کے بعد کہا آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ مجھے چھوڑتے نہیں ہیں۔ باہر بھی جانا پڑتا ہے۔ یہاں بھی لوگ آ جاتے ہیں۔ طلبہ کا نقصان ہوتا ہے۔ بخاری شریف بھی آپ ہی پڑھائیں۔ آپ خود دیکھ لیں ظہر سے پہلے کی بات اور ظہر کے بعد کی بات۔ پھر میں نے سات سال تک وہاں پڑھایا 63-1962 کی بات ہے۔

حضور ﷺ کی محبت صحیح معنوں میں اگر ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے تو ہم کامیاب ہو سکتے ہیں

✿ دلیل راہ:۔ خانقاہی نظام کے بارے میں آپ کی رائے ہے اور موجودہ خانقاہ نشینوں میں سے آپ کس سے متاثر ہیں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ اب تو بالکل خانقاہی نظام ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ نظام ہی خانقاہی تھا جس میں ظاہری تعلیم کا بھی بندوبست تھا باطنی تعلیم کا بھی بندوبست تھا اور وہاں بڑے بڑے علماء پیدا ہوتے تھے اور بڑے بڑے مجاہدہ کرنے والے لوگ ہدایت کرنے والے لوگ، صوفیاء بھی پیدا ہوتے تھے لیکن اب تو کوئی بات نہیں رہی نہ ظاہری نہ باطنی۔ اکثر دریا شریف میں ایک بابا عبدالغفور صاحب تھے دونوں پیر بھائی تھے اور دوسرے حضرت مولانا پیر محمد عبداللہ شاہ یارو عالم بھی تھے پیارے نیک برگزیدہ متقی، پرہیز گار صاحب کرامت لوگ تھے۔

✿ دلیل راہ:۔ آپ کا سلسلہ بیعت کہاں ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میرا سلسلہ بیعت حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہماری سیاسی جماعت جے یو پی انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے

✿ دلیل راہ:۔ حضرت سے عقیدت کن وجوہات کی بناء پر تھی؟

☆ شیخ الحدیث:۔ جہاں آپ بہت بڑے عالم تھے وہاں آپ کا مطالعہ اور نظر بڑی گہری تھی دوسری بات یہ تھی کہ میں نے کبھی بھی ان کو سنت کے خلاف کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔ حضور ﷺ کی سنت کا اتنا خیال رکھتے تھے اور جو حضور ﷺ کا عشق ان کے دل میں تھا وہ ایک مثالی چیز تھی پھر وہ اتنا متاثر کرتا تھا کہ میں نے خود دیکھا کہ ہمارے اپنے علاقے میانوالی سے ایسے ایسے لوگ آئے کہ جن کی نیت اچھی نہیں تھی عقیدہ بھی خراب تھا مگر حضرت کی صحبت میں آئے اور جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی تقدیریں بدل گئیں اور وہ بڑے نمازی، پرہیزگار اور تائب ہوئے اپنے سابقہ گناہوں سے۔ ان کا جو عمل تھا اس سے متنفر ہوکر اور سب سے بڑی بات عشق رسول ﷺ تھا۔ ہمارے استاد جو مولانا فیض صاحب تھے ان کی بیعت گولڑہ شریف تھی وہ فرماتے تھے۔ حضرت محدث اعظم مولانا سردار احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے پنجاب فیصل آباد میں اس لئے بھیجا کہ یہاں کے پیران عظام دیکھیں کہ پیر اُس کو کہتے ہیں اور علماء کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا کہ عالم بھی اس کو کہتے ہیں۔ یہ عالم ہیں اور یہ پیر ہیں۔

✿ دلیل راہ:۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک کامیاب مدرس کی جملہ خوبیوں سے نواز رکھا ہے اپنی تدریس کی تاریخ پر کچھ روشنی ڈالیے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میں نے ہمیشہ کوشش یہ کی ہے کہ ہمیشہ مطالعہ کر کے پڑھاؤں اور میرے پڑھانے کا طرز وہی رہا ہے جو مولانا فیض صاحب کا تھا وہ یہ طریقہ کرتے کہ جتنا طالب علم عبارت پڑھتے تھے وہ ذہن میں رکھ کر ان کو ویسے خلاصۂ زبانی سمجھا دینا کہ یہاں سے یہاں تک یہ مسئلہ بیان کرنا ہے یا کسی سوال کا جواب دے رہے ہیں یا اپنی تحقیق موصوف پیش کر رہا ہے۔ خلاصہ کے طور پر پہلے سمجھاتے تھے اور پھر ذہن میں جب ان کے بات بیٹھ جاتی تھی اس کے بعد ان کو کہا جاتا کہ اب کتاب کھولو تو اس کو جب دیکھتے تو بیان کیا جاتا تو کتاب حل ہو جاتی۔

مولانا عبدالعزیز نے تین سو بار حضورﷺ کی بشارت کا ذکر کر کے آپ کی توہین کی ہے

✿ دلیل راہ:۔ کتنے عرصے سے یہاں جمعہ پڑھا رہے ہیں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ سنی رضوی جامع مسجد جھنگ بازار میں جمعۃ المبارک تقریباً چار سال سے پڑھا رہا ہوں۔

✿ دلیل راہ:۔ تحریر و تصنیف کے میدان میں آپ کی کاوش؟

☆ شیخ الحدیث:۔ وقت ہی نہیں ہے۔ تدریس کرنے والا آدمی کہاں یہ کام کر سکتا ہے۔ اب کچھ لکھنے کو دل کرتا ہے لیکن نظر بہت کمزور ہے اور نہ ہی میں زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہوں۔

✿ دلیل راہ:۔ تحریک قیام پاکستان اور اس کے بعد کی تحریکوں میں آپ کا کیا کردار رہا ہے خصوصاً تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ اور تحریک ختم نبوت میں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ تحریک قیام پاکستان میں اس وقت طالب علمی کا دور تھا سکول میں جلسے جلوس میں شرکت کرتے اس کے بعد تحریک نظام مصطفیٰ اور تحریک ختم نبوت میں بھی حصہ لیا۔

✿ دلیل راہ:۔ موجودہ عالمی حالات اُمت مسلمہ کے لیے انتہائی گھمبیر ہیں ان مسائل کا حل آپ کی نظر میں کیا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میں تو حقیقت سے یہ سمجھتا ہوں کہ ہم نے اتباع رسول ﷺ کو چھوڑ دیا ہے اس کی وجہ سے ہم پر زوال ہے اگر ہم حضور نبی کریم ﷺ کے متبع ہو جائیں حضور ﷺ کی محبت صحیح معنوں میں ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے تو ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

✿ دلیل راہ:۔ گزشتہ کچھ عرصے سے حکومت کی طرف سے مدرسہ اصلاحات کے نام پر دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی باتیں کی جارہی ہیں آپ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میں ان سے متفق نہیں ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہی جو ہمارا پرانا نصاب ہے اگر صحیح معنوں میں اسے پڑھ لیا جائے تو وہ اتنا جامع ہے کہ آج کل کے جتنے مسائل ہیں وہ بھی حل ہو سکتے ہیں پھر اتنی استطاعت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم مسائل کا حل پیش کر سکتے ہیں۔

✿ دلیل راہ:۔ پچھلے دنوں جب حکومت نے حدود آرڈیننس منظور کیا تو پوری قوم اضطراب اور تشویش میں مبتلا تھی احتجاجی مظاہرے ہوئے، بیانات دیے گئے، کالم لکھے گئے، آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ بالکل جو اسلام کے متصادم اس کی شقیں ہیں بلکہ میں نے یہاں جمعوں میں میں نے ان کا خوب رد کیا ہے اور جلسوں میں بھی اس کا رد کرتا رہا ہوں اس کو اب بھی ہم نہیں مانتے اور ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ انہیں فوری طور پر حذف کر دیا جائے اور اسلام کے مطابق اسے نافذ کیا جائے۔

✿ دلیل راہ:۔ آپ کے نزدیک اتحاد اہلسنت کی سبیل کیا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ اگر ہر شخص اپنی انا کو ختم کر دے تو اتحاد ہو سکتا ہے۔ دل میں ایک دوسرے کا احترام ہو۔ عزت ہو تو اتحاد اہلسنت ممکن ہے۔

✿ دلیل راہ:۔ بعض لوگ پیری کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن شریعت رسول ﷺ کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ کچھ لوگ طریقت کو شریعت سے الگ تصور کرتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے کیا ایسی تقسیم ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ میں ان کو پیر مانتا ہی نہیں ہوں۔ شریعت اور طریقت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ جو ایسا کہتے ہیں وہ غلط ہیں۔

✿ دلیل راہ:۔ آپ کے خیال میں اتحاد بین المسلمین کا حقیقی تصور کیا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ "مسلمین" میں اتحاد تو میں بھی چاہتا ہوں مگر وہ مسلمین ہوں تو۔

✿ دلیل راہ:۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ تمام اسلامی ممالک کے درمیان سرحدیں ختم کر دی جائیں اور ساری مسلم دنیا ایک اسلامی ریاست کی شکل اختیار کر لے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ ممکن تو ہر بات ہے لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔

✿ دلیل راہ:۔ اس وقت مسلمان سارے عالم میں پستی، ذلت اور زوال کا شکار ہیں اس دلدل سے نکلنے اور عظمت رفتہ کی بحالی کی کوئی صورت ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ مستقبل قریب میں تو ایسی بات نظر نہیں آ رہی لیکن انشاء اللہ انجام اچھا ہوگا۔

✿ دلیل راہ:۔ اس وقت ملکی حالات بڑے ہی نازک مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ عوام موجودہ سیاسی اور مذہبی سیاسی جماعتوں سے بدحال اور مایوس ہیں۔ غریب مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں اور زندگی کی گاڑی دھکیلنا ان کیلئے ازحد مشکل ہو چکا ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ حالات کسی انقلاب کی نوید نہیں بنیں گے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ اس وقت ملک میں مہنگائی، فحاشی، عریانی، عروج پر ہے لیکن اللہ کے فضل و کرم سے اسے زوال ضرور ہوگا اور اچھا وقت انشاء اللہ ہم ضرور دیکھیں گے۔

✿ دلیل راہ:۔ جمعیت علمائے پاکستان کو سواد اعظم اہلسنّت و جماعت کی سیاسی جماعت سمجھا جاتا تھا اور 1970 تا 1980 اس کی اٹھان بھی حوصلہ افزا تھی لیکن بعد ازاں انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی اور اب اس حال میں ہے کہ ملکی سیاست میں کوئی جاندار کردار ادا نہیں کر سکتی ایسے حالات میں آپ سے دو سوال ہیں۔ نمبر (1) اس حال تک پہنچانے میں میں کون قصوروار ہے؟ قیادت، علماء، مشائخ، یا تنظیمی و تربیتی شعور کی کمی؟ (2) ان حالات میں کیا یہ ضروری نہیں ہو گیا کہ نئے سرے سے صف بندی کی جائے اور ایک متحدہ مؤثر سیاسی جماعت قائم کی جائے جو آئندہ کی سیاست میں ایک مرتبہ پھر اہلسنّت کے نظریاتی تشخص کو غالب کر سکے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ ہم سب قصوروار ہیں۔ ہم نے تو کوئی کسر چھوڑی ہی نہیں۔ اخلاص کی کمی ہے۔ ذاتی انا نے ہم کو برباد کر دیا ہے۔ اس میں ہمارے لیڈر بھی قصوروار ہیں۔ علماء بھی قصوروار ہیں۔ عوام بیچارے تو میں سمجھتا ہوں کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ تو اتحاد چاہتے ہیں۔ اکٹھا ہونا چاہتے ہیں۔ کوئی قیادت ہو تو وہ آج بھی ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ اگر ہم صحیح ہو جائیں تو انشاء اللہ عوام ہمارے ساتھ دے گی۔

(2) نئی جماعت ضروری نہیں۔ نام وہی ہو لیکن اخلاص کے ساتھ اس کی صفوں کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ سب متحد ہو جائیں تو انشاء اللہ عوام بڑی قوت ہیں۔ چھوٹی چھوٹی تنظیمات ہیں۔ ان کو ایک بڑی جماعت میں ضم کر دیا جائے۔ مذہبی اور سیاسی گروہ کا آپس میں تعاون بہت ضروری ہے۔

✿ دلیل راہ:۔ زندگی میں کبھی کسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا؟

☆ شیخ الحدیث:۔ کئی واقعات ہوں گے لیکن کوئی خاص نہیں ہے کہ جن کا ذکر کیا جا سکے۔

✿ دلیل راہ:۔ مسجد و مدرسہ کے حوالے سے اسلام آباد میں جو واقعات رونما ہوئے ان کے بارے میں آپ کا مؤقف کیا ہے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ وہاں کی انتظامیہ خصوصاً مولانا عبدالعزیز یا عبدالرشید غازی انہوں نے علماء کو بھی رسوا کیا اور اسلام کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ اب اس کی تلافی بھی ممکن نہیں ہے۔ کل تک کچھ کا کچھ کہہ رہے تھے۔ میرے خیال میں تو مولانا عبدالعزیز نے حضور ﷺ کی توہین کی ہے کہ ان کو 300 بار نفاذ شریعت کی بشارت ہوئی ہے۔ اگر بشارت ہوئی تھی اس طرح برقعہ پہن کر معصوم طلباء کو اکیلا چھوڑ کر باہر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کے اس طرز عمل سے اسلام کی بھی بدنامی ہوئی ہے ملک کو بھی نقصان پہنچا ہے اور مدارس کو بھی رسوا کیا ہے۔ عوام نے تو نہیں دیکھنا کہ ان کا مسلک کیا ہے پہلے بات علماء کی ہوگی بعد میں مسلک کی۔

✿ دلیل راہ:۔ مدارس کو آپ کیا پیغام دینا پسند فرمائیں گے؟

☆ شیخ الحدیث:۔ ان کے لیے یہی پیغام ہے کہ طلباء محنت کریں، مدرسین کی کمی ہے، مدرسین پیدا کئے جائیں۔ خوب اچھی طرح۔ مہارت کے ساتھ درس نظامی کی کتب کو پڑھیں اور یاد کریں اور آگے پڑھائیں۔ اب دورہ حدیث میں 190 طلباء ہیں لیکن ان میں بہت کم ہوں گے جو مدرسین بننے کے خواہش مند ہوں گے۔ پہلے چھوٹے چھوٹے قصبات میں پڑھتے تھے اگر 20 نے دورہ حدیث شریف پڑھا ہے تو بیس کے بیس مدرسین ہوتے تھے لیکن اب سینکڑوں طلباء ہیں لیکن مدرسین بہت کم ہیں۔

✿ دلیل راہ:۔ خوراک جو کوئی خاص پسند ہو؟

☆ شیخ الحدیث:۔ کوئی خاص نہیں۔ ہر حلال چیز جو مل جائے کھا لیتا ہوں۔ کبھی یہ خواہش نہیں کہ خصوصاً یہ ہو۔

✿ دلیل راہ:۔ آپ لباس کون سا پسند کرتے ہیں؟

☆ شیخ الحدیث: سفید لباس کو پسند کرتا ہوں۔ اچھا لباس ہو اس لئے کہ لوگ علماء کو حقیر نہ سمجھیں۔

✿ دلیل راہ: پھول کون سا پسند ہے؟

☆ شیخ الحدیث: گلاب کا پھول پسند ہے۔

✿ دلیل راہ: اب تک کہاں کا سفر کیا ہے؟

☆ شیخ الحدیث: حجاز مقدس کا سفر کیا ہے۔ پانچ چھ مرتبہ حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔ لندن، برطانیہ میں بھی دو ایک مرتبہ گیا ہوں۔ کانفرنس میں خطاب کا موقع ملا ہے اور خدا کے فضل وکرم سے کامیاب خطاب کا موقع ملا ہے۔

✿ دلیل راہ: دوران تعلیم کبھی ذہن میں خیال آیا ہے کہ بعد میں آپ حضور محدث اعظم کی مسجد میں ہی پڑھایا کریں گے؟

☆ شیخ الحدیث: نہیں کبھی نہیں۔ اس وقت تو یہ بھی خیال نہیں تھا کہ پتہ نہیں کہاں ہوں گے کدھر ہوں گے اب تو پہلے ہی ذہن میں ہوتا ہے کہ وہاں چلا جاؤں گا۔ اتنی تنخواہ مل جائے گی۔ یہ یہ سہولتیں ہوں گی۔ ہمارے دور میں تو ان چیزوں کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ ہم تو صرف تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ ذہن میں بالکل نہیں ہوتا تھا کہ پیسے مل جائیں گے یا ملازمتیں مل جائیں گی۔ بالکل نہیں۔ ہم تو یہ سوچتے تھے کہ ہمارے اکابر اساتذہ گھروں سے کھانا کھا کر آتے ہیں سادہ لباس پہنتے ہیں۔ ہم بھی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گھروں میں بیٹھ جائیں گے اور طالب علم آئیں گے۔ اپنا انتظام خود کریں گے اور ہم ان کو تعلیم دیں گے۔

✿ دلیل راہ: حضور محدثِ اعظم علیہ الرحمۃ کے دور اور آج کے دور میں اس مسجد کے حوالے سے آپ کیا فرمائیں گے؟

☆ شیخ الحدیث: تعمیراتی طور پر تو بہت کام ہوا ہے۔ حضور کی رکھی گئی بنیاد پر پیر فضل رسول صاحب نے کافی کام مکمل کروایا ہے۔ اب بھی جاری ہے۔ اب چنیوٹ روڈ پر 92 کنال جگہ لے کر وہاں یونیورسٹی کی تعمیر کا کام شروع کروانے کا ارادہ ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ مدرس پیدا کئے جائیں۔ ایسے اساتذہ رکھے جائیں جو قابل ہوں، ماہر ہوں، طلباء کو محنت کروا کر استاد اور مدرس پیدا کئے جائیں۔

✿ دلیل راہ: حضرت صاحب مراقبہ کے بارے میں فرمایئے۔

☆ شیخ الحدیث: مراقبہ درست ہے اس کے طریقے مختلف ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ میں توجہ کی بہت اہمیت ہے۔ بیٹھے بیٹھے جو خیال آتا ہے اس پر توجہ کی جاتی ہے یکسوئی کی وجہ سے ترقی بھی ہوتی ہے۔

✿ دلیل راہ: ذکر کرنے کے دو طریقے ہیں جہر و اخفاء۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

☆ شیخ الحدیث: طریقے سارے ہی حق ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے درمیانہ راستہ احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے اور بعض سلاسل کا معمول بھی ہے۔ وہ زیادہ مناسب ہے۔

✿ دلیل راہ: اہلسنّت کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

☆ شیخ الحدیث: اس کے فروعی اختلافات کو چھوڑ کر اتحاد کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔

بہت بہت شکریہ آخر میں شیخ الحدیث محمد شریف رضوی صاحب نے دعا فرمائی اور یوں یہ ملاقات اپنے اختتام کو پہنچی۔

✿ ✿ ✿

شیخ جمال الدین لاہوری

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ایم اے پی ایچ ڈی

عہد اکبری میں شہر لاہور نے جو اہل فضل وکمال اور علمائے دین کی بہت بڑی تعداد پیدا کی، اس میں مولانا جمال الدین محمد لاہوری بھی تھے۔ قدیم لاہور کا ایک محلہ تھا جسے تلہ کہتے تھے، مولانا جمال نے اسی محلہ میں نشو ونما پائی اور وہیں زندگی کے ابتدائی مراحل طے کیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر کتب تذکرہ وتاریخ میں آپ کا "جمال تلہ" یا جمال تلوی کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ بختاور خاں کی مرآۃ العالم میں شیخ جمال تلہتی مذکور ہے جو قرین صواب نہیں۔ (مرآۃ العالم ص ۵۳۲، منتخب التواریخ ۳:۱۰۵، نزہۃ الخواطر ۵:۱۱۶)

مولانا کا خاندان علم ودانش میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ آپ کے بزرگوں میں سے ایک شیخ حاجی مہدی ہوئے ہیں، جو اپنے وقت کے ممتاز صوفی اور روحانی پیشوا تھے۔ بدایونی نے انھیں لاہور کے اعیان مشائخ میں شمار کیا ہے (مولانا جمال تلہ کے محلہ ایست مشہور در لاہور، خویش حاجی مہدی است کہ از اعیان مشائخ بود۔ (منتخب التواریخ ۳:۱۰۵)

یہ بات بڑی تکلیف دہ اور افسوسناک ہے کہ ہمارے تذکرہ نگاروں نے اعیان واعلام کی تاریخ وفات اور تاریخ پیدائش معلوم کرنے یا ذکر کرنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی۔ ملا عبدالقادر بدایونی جو مولانا جمال کا معاصر بھی تھا اور وہ عہد اکبری میں لاہور میں بھی آیا تھا مگر اس نے بھی ان کی تاریخ پیدائش وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا بلکہ صرف یہ کہہ کر بات ختم کر دی ہے کہ منتخب التواریخ کی تصنیف کے وقت ان کی عمر پچاس اور ساٹھ برس کے درمیان ہے (سن شریف او حالا مابین پنجاہ وشصت است) ایضاً بہر حال بدایونی کے اس بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا جمال دسویں صدی ہجری اور سولھویں صدی عیسوی کے نصف اول یعنی تقریباً ۹۴۹ھ (۱۵۴۱ء) میں پیدا ہوئے ہوں گے کیونکہ بدایونی نے اپنی یہ کتاب ۹۹۹ھ، ۱۵۹۰ء میں لکھنا شروع کی تھی اور ۱۰۰۴ھ، ۱۵۹۶ء میں مکمل کر لی تھی۔ اس کے بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ بوقت تصنیف مولانا کا سن شریف پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان ہے۔ اگر اس اندازے کا اوسط یعنی پچپن سال کا عرصہ کتاب کے سال تکمیل میں سے نکال دیا جائے تو یہی تاریخ پیدائش بنتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

> تذکرہ نگاروں کی ستم ظریفی نے ایک ہی شخصیت کے دو اشخاص بنا دیئے

ہندی علما کے تذکروں اور کتب تاریخ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا جمال الدین محمد لاہوری نے تحصیل علم کے لئے کوئی سفر اختیار نہیں کیا تھا بلکہ لاہور شہر میں ہی اپنے زمانے کے فضلا سے کسب فیض کا آغاز کیا اور علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ اس زمانے میں شیخ اسحاق بن کاکو رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ لاہور میں اہل طلب اور تشنگان علم کی سیرابی وتشفی کا مرکز بنی ہوئی تھی، جہاں خود شیخ اسحاق کے علاوہ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی اور مولانا اسماعیل بن عبداللہ اُچّی ثم لاہوری بھی درس وتدریس میں مشغول تھے،

> فیضی نے اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام کی تصنیف وترتیب میں ان سے مدد لی

چنانچہ مولانا جمال الدین تلوی بھی شیخ اسحاق کی اس درس گاہ میں پہنچے اور ان تینوں سے علوم متداولہ کا درس لینا شروع کیا (منتخب التواریخ ۳:۱۱۵، مرآۃ العالم ص ۵۳۲، تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۲، نزہۃ الخواطر ۵:۱۱۶) مولانا عبدالحی لکھنوی (نزہۃ الخواطر ۵:۱۱۶) کے قول کے مطابق شیخ جمال الدین نے ان تین بزرگوں کی خدمت میں ایک طویل مدت گزاری اور عربی زبان کے مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے شیخ جمال الدین لاہوری کے ایک اور استاذ کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کا نام شیخ اسماعیل بن ابدال جیلانی لاہوری بتایا ہے۔ انھوں نے نزہۃ الخواطر (۴:۳۶، ۳۷) میں دو ایسے بزرگوں کا ذکر کیا ہے، جن کا نام اسماعیل بن ابدال بن نصر بن محمد بن موسیٰ بن

عبدالجبار ابی صالح بن عبدالرزاق بن عبدالقادر جیلانی لاہوری پھر تذکرۃ الکملا کے حوالے سے بتایا ہے کہ شیخ اسماعیل لاہوری مذکور دارالسلطنت دہلی میں آئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ پھر رتھنبور چلے گئے۔ جہاں ۹۹۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ شیخ مذکور سے مولانا جمال الدین لاہوری کے علاوہ شیخ محمد بن الحسن جونپوری اور شیخ عبدالملک بن عبدالغفور پانی پتی نے بھی استفادہ کیا۔ اس نام اور نسبت کے ساتھ مولانا نے جس دوسرے بزرگ کا تذکرہ کیا ہے، وہ ہیں شیخ اسماعیل بن عبداللہ بن محمد اُچی ثم لاہوری اور بتایا ہے کہ یہ بھی متوخر الذکر کی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں سے تھے۔ ولادت اچ شریف میں ہوئی اور وہیں اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عہد اکبری میں لاہور آگئے جہاں اکبر نے انھیں ایک ہزار بیگھا خراجی زمین عطا کی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کی وفات لاہور میں ۹۷۸ ہجری بتائی ہے حالانکہ اکبر لاہور میں اس وقت نہیں آیا تھا۔ اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ جمال الدین لاہوری کے تذکرے کے ضمن میں شیخ اسماعیل اچی ثم لاہوری کی ولدیت ابدال بتائی ہے (نزہتہ الخواطر ۱۱۶:۵)۔ راقم کا خیال یہ ہے کہ تذکرہ نگاروں کی ستم ظریفی نے ایک ہی شخصیت کے دو اشخاص بنا دیے اور اس سلسلے میں تفصیلی بحث مولانا اسماعیل اچی ثم لاہوری کے تذکرے میں آئے گی۔ انشاء اللہ

مولانا جمال الدین محمد لاہوری کی تمام عمر افادہ واستفادہ میں بسر ہوئی اور وہ تعلیم سے فارغ ہو کر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ مولوی رحمان علی (تذکرہ علماء ہند ص: ۱۵۲) انہیں ممتاز عالم دین اور جمیع علوم وفنون کے جامع ایسے القاب سے یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اکبر بادشاہ کے زمانے میں لاہور کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ آٹھ سال کی عمر سے درس وتدریس میں مشغول ہو گئے تھے اور معقول ومنقول کے مشکل سے مشکل مباحث اپنے شاگردوں کو بڑی آسانی کے ساتھ سمجھا دیا کرتے تھے۔'' اسی طرح بختاور خان (مراۃ العالم ص: ۵۳۲) مولانا کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں فاضل مدقق اور صاحب کمالات علمی قرار دیتا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی (منتخب التواریخ ۳: ۱۰۵) مولانا کو ''اعلم علمائے وقت'' قرار دیتے ہوئے یوں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ ''جوہری است درکمال قابلیت وحدت طبع وجامع جمیع اقسام علوم عقلی ونقلی، می گویند کہ از ہشت سالگی باز بافادہ مشغول است، وخوش تقریر ومنقح گوئی، چنانچہ مباحث دقیقہ معقول ومنقول بآسانی خاطر نشان شاگردمی سازد، ومشفق است، صاحب صلاح وتقویٰ، وحافظ است ومتحقق باخلاق حمیدہ۔''

مولانا عبدالحئی لکھنوی (نزہتہ الخواطر ۱۱۶:۵) نے لکھا ہے کہ وہ اپنے علم وفضل اور شفقت ومودت کے باعث خاص وعام کے نزدیک یکساں مقبول ومحترم تھے۔ لاہور میں عمر بھر مسند تدریس کی صدارت پر متمکن رہے، مولانا کہتے ہیں: ''لم یدرک شاوہ احد من معاصریه فی الدرس والافادہ'' (درس وتدریس کو ہم عصران کا ہم پلہ نہ تھا)

شیخ جمال الدین لاہوری کے علم وفضل اور علو مرتبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فیضی نے اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام کی تصنیف وترتیب میں ان سے مدد لی اور کئی مقامات پر مولانا نے فیضی کی عبارات کی اصلاح کی اور ان میں ربط پیدا کیا۔ چنانچہ ملا بدایونی (منتخب التواریخ ۱۰۵:۳) لکھتے ہیں ''تفسیر شیخ فیضی را اکثری او اصلاح دادہ ومربوط ساختہ'' مولانا جمال الدین لاہوری کے کسی شاعر نے ان کی تعریف میں کچھ شعر کہے ہیں جن میں سے ایک بیت تو زبان زد خلائق تھا اور اسے بدایونی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے (منتخب التواریخ ۱۰۵:۳)۔

چیست بحث علم اگر تا فرق فرقدی رود
ذکر مولانا جمال الدین محمد می رود

مولانا کو تصوف وطریقت سے بھی گہرا شغف تھا اور شیخ لاہور مولانا ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں بہت عقیدت تھی۔ بقول بختاور خاں (مراۃ العالم ص ۵۳۲): ''باوجود کمالات علمی مشربی عالی از فقر داشت، واعتقادا وبحضرت قدوۃ المشائخ شیخ علی ہجویری بمرتبہ بود کہ زیادہ از اں متصور نباشد، ہر روز تا دوازدہ سال بزیارت مرقد منورش می رفت اگرچہ بادو باراں می شد۔''

حضرت داتا صاحب کے ساتھ دلی عقیدت وخلوص کے نتیجے میں مولانا جمال الدین کو کئی ایک مافوق العادۃ واقعات بھی پیش آئے جن کا تفصیلی ذکر بختاور خاں کی کتاب مراۃ العالم میں موجود ہے۔

✿ ✿ ✿

معراج النبی ﷺ

عقیدہ، تاریخ اور مباحث

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝

اس آیت کریمہ میں حضور فخر موجودات سید کائنات ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق عقل کوتاہ اندیش اور فہم حقیقت ناشناس نے پہلے بھی رد وقدح کی اور آج بھی واویلا مچا رکھا ہے اس لئے اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ تطویل لاطائل سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لئے حق کی پہچان آسان ہو جائے اور شکوک وشبہات کا جو غبار حسن حقیقت کو مستور کرنے کے لئے اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کا سدباب ہو جائے۔

جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول نے قریش مکہ کو دعوت توحید دی تھی۔ اسی روز سے عداوت وعناد کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ ہر طرف سے مصائب وآلام کا سیلاب امڈ کر آ گیا تھا۔ رنج وغم کا اندھیرا دن بدن گہرا ہوتا چلا جاتا تھا لیکن اس تاریکی میں حضرت ابوطالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وجود مسعود ہر نازک مرحلہ پر تسکین وطمانیت کا سبب بنا کرتا تھا۔ بعثت نبوی ﷺ کے دسویں سال مہربان وشفیق چچا نے وفات پائی۔ اس جانکاہ صدمہ کا زخم ابھی مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ مونس وہمدم دانش ورعالی حوصلہ رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ کفار مکہ کو اب ان کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور ان کی سفاکانہ روش پر ملامت کرنے والا بھی کوئی نہ رہا جس کے باعث ان کی ایذا رسانیاں ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئیں۔

حضور ﷺ اہل مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ شاید وہاں کے لوگ اس دعوت توحید کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں لیکن وہاں جو ظالمانہ اور بہیمانہ برتاؤ کیا گیا۔ اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی کا سایہ پھیل چکا تھا اور ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ رحمت الٰہی نے اپنی عظمت وکبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرانے کے لئے اپنے محبوب کو عالم بالا کی سیاحت کے لئے بلایا تاکہ حضور ﷺ کو آپ کے رب کریم کی تائید ونصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ظاہری ناسازگاری خاطر عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ غور کیا جائے تو سفر اسریٰ کے لئے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں ہو سکتا تھا۔

حضور ﷺ "سدرۃ المنتہیٰ" تک پہنچے جو انوار کی تجلّی گاہ ہے

اس مقدس سفر کا تفصیلی تذکرہ تو کتب حدیث وسیرت میں ملے گا۔ یہاں اجمالی طور پر ان امور کا ذکر کر دیا گیا ہے جو مختلف احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

حضور ﷺ ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرمارہے تھے کہ جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادۂ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضور ﷺ اٹھے، چاہ زمزم کے قریب لائے گئے، سینہ مبارک کو چاک کیا گیا، قلب اطہر میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا اور پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں پر نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا حضور ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں۔ براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ حضور ﷺ مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء وسابقین حضور ﷺ کے چشم براہ تھے۔ حضور ﷺ کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح لتومنن بہ کا جو عہد روز ازل، ارواح انبیاء سے لیا گیا تھا

قلب اطہر میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا

(کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا) کی تکمیل ہوئی۔ زاں بعد موکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ساتویں آسمان پر اپنے جد کریم ابوالانبیاء حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل نے "مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح" یعنی اے نبی صالح! خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے حضور ﷺ آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ تھی۔ جس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقاب ہمت یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا اور آگے بڑھے اور کہاں تک گئے اسے ماوشما کیا سمجھیں۔ زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ وہاں کیا ہوا یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا اگر میرے آقا نے فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے

"پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز ونیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت ونزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (سیرت النبی جلد ۳)

اسی مقام قرب اور گوشہ خلوت میں دیگر انعامات نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں عطا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض داشت پر حضور ﷺ نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لئے التجا کی۔ چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔ فراز عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرمائے خاکدان ارضی ہوئے ابھی یہاں رات کا سماں تھا ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سپیدہ سحر کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

واقعہ معراج کو انتہائی اختصار کے ساتھ یہاں پیش کر دیا گیا۔ یہ مسافت بے شک بڑی طویل ہے اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب وغریب ہے اسی لئے وہ دل جو نور ایمان سے خالی تھے انہوں نے اسے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا انہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا اور نہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی سے وہ متاثر ہوئے بلکہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا ومولا نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔ اہل ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت وعدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے ہمارے وضع کئے ہوئے قواعد وضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں ہو سکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک وشبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب اس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو علی کل شئی قدیر ہے تو پھر وہ امکان وعدم امکان کے چکر میں کیوں پڑے۔ اس لئے جب شب اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے صاف انکار کر دیا اور بعض نے بلا چون وچرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

یہ سفر رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان اور عافیت سے طے پایا

لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے۔ ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں۔ اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضا مند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات ونظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں وہ دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا اس لئے ہمیں مختصراً تینوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہے کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات باعث تخلیق کائنات سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں ان کے لئے تو واقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس موقعہ پر اس آیت جلیلہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے

> **ڈیوڈ ہیوم کا نظریہ قابل تسلیم نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں**

آیت کا آغاز سبحان کے کلمہ سے کیا گیا۔ سبّح یسبّح تسبیحا۔ باب تفعیل کے مصدر کا علم ہے اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب ونقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں "علم للتسبیح کعثمان للرجل وانتصابه بفعل مضمر ودل علی التنزیه البلیغ من جمیع القبائح التی یضیف الیه اعداء الله"۔

یعنی یہ تسبیح مصدر کا علم ہے جس طرح عثمان (اس کا ہموزن) کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں، عیبوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے تھے۔ علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اکرم ﷺ کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے "عن طلحة قال سالت رسول الله ﷺ عن تفسیر سبحان الله فقال تنزیه الله عن کل سوء" سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقص، کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے، اس کے لئے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا، بطور دلیل ارشاد فرمایا الذی اسری بعبده یونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں اس کی عظمت بے کراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقع نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا۔ اس لئے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

اسریٰ رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں۔ لیلاً پر تنوین تقلیل کی ہے کہ یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں بڑے اطمینان اور عافیت سے طے پایا۔ اسریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے حضور ﷺ کا ذکر بعبده کے لفظ سے فرمایا گیا جس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بے مثل رفعت شان اور علو مرتبت کو دیکھ کر امت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ بارگاہ صمدیت میں مقام قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا بما اشرفک یا محمد اے سراپا حمد وستائش! آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں تو حضور ﷺ نے جواباً عرض کی بنسبتی الیک بالعبودیه مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب نے اپنے لئے خود پسند فرمایا تھا۔

معراج کے وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن بچی تھیں اور معاویہ ؓ ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے

ان کلمات سے اس سفر کی غرض وغایت بیان فرمائی کہ یہ سفر یوں نہیں کہ بھاگم بھاگ کرتے ہوئے حضور ﷺ گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آ گئے ہوں نہ کچھ دیکھا نہ سنا بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحے پر گلشن ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم وحکمت کے جتنے کرشمے تھے سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔

اب آپ خود فرمائیے کہ جو معراج کو عالم خواب کا ایک واقعہ کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔ قرآن کا یہ انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ عالم بیداری کا ہے۔ اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رؤیا تھا یعنی خواب تھا۔ ارشاد باری ہے " ما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فتنة للناس " یہاں رؤیا کا لفظ ہے اس کا معنی خواب ہے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لئے دکھایا تا کہ لوگوں کی آزمائش کی جا سکے۔ جب خود قرآن پاک نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے اور اگر اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ قال ابن عباس هي رؤيا عين اريها رسول الله ﷺ۔ علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ولو كانت رؤيا منام ما افتتن بها احد ولا انكرها فانه لا يستبعد علىٰ احدان يرىٰ نفسه يخترق السموٰت و يجلس على الكرسي و يكلمه الرب (احکام القرآن) یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو کبھی مستبعد اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔

یہ لوگ حضرت انس ؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا ثم استيقظت و انا في المسجد الحرام پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔ اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمائیے خود بخود شبہ دور ہو جائے گا۔

فطرت کے قوانین اٹل ہیں ان میں ردوبدل نہیں

سرسید نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے اس کا بطلان کیا

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس ؓ سے شریک نے نقل کئے ہیں اور شریک ليس بالحافظ عند اهل الحديث (روح المعانی جلد ۱۵) کہ اہل حدیث کے نزدیک شریک حافظ حدیث نہیں ہے۔

دوسری روایت سنیئے ان هذا اللفظ رواه شريک عن انس و كان قد تغير باخره فيعول على روايات الجميع (احکام القرآن لابن عربی) کہ یہ الفاظ حضرت انس ؓ سے صرف شریک نے روایت کئے ہیں ان کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی روایت کی بجائے ان روایات پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس ؓ سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر آئمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی، اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں۔ وقد روى حديث الاسراء من انس جماعة من الحفاظ المتقنين والائمة المشهورين كابن شهاب وثابت البناني وقتادة فلم يات احد منهم بمااتىٰ به شريک (روح المعانی جلد نمبر ۱۵)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ وقوله في حديث شريک عن انس ثم استيقظت فاذا انا في الحجر معدود في غلطات شريک یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ہی ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ تو بالکل کمسن بچی تھیں اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف بہ اسلام ہی نہ ہوئے تھے نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد نہیں۔

چھٹے آسمان پر موسیٰ مجھ سے ملے اور مرحبا کہا اور میرے لیے دعا کی

علامہ ابن حیان اس کے متعلق لکھتے ہیں: وما روی عن عائشة ومعاویة انه کان مناما فلعله لا یصح ولو صح لم یکن فی ذلک حجة لانهما لم یشاهد اذلک لصغر عائشة وکفر معاویة ولا نهما لم یسندذالک الی رسول الله ﷺ ولا احد ثابه عنه (بحر المحیط)

اسی سلسلہ میں مقالات سرسید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا انہوں نے بڑی شدومد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے۔ ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مؤرخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن وتشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں۔ خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے اور عظمت مصطفوی کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کے دلائل وبراہین کو ہی کیوں نہ منہدم کرنا پڑے۔ آپ اس جذبے کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب ونتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے کیا معراج کا انکار کر کے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا ہے؟ کیا آپ کی معذرت خواہی کو انہوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے، ہرگز نہیں تو پھر اس محنت کا کیا حاصل بجز اس کے کہ ان صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے۔ ہاں میں اس طویل مقالے کا ذکر کر رہا تھا اس میں حضرت سید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں "ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقص ہیں کہ صراحتاً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت واعتبار کو کھو دیتی ہیں" (مقالات سرسید صفحہ ۲۶۷)

لیکن تناقض وتضاد کے جو نمونے انہوں نے ذکر کئے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ حضور اس وقت حطیم میں تھے، دوسری میں ہے کہ حجر میں تھے، تیسری میں ہے کہ مسجد حرام میں تھے۔ ذرا غور فرمائیے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے؟ حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا اور قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا یہ حصہ (حطیم یا حجر) مسجد حرام میں ہے تو ان روایات میں کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے ثم صعد بی الی السماء السادسة فاذا موسی پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا، دوسری حدیث میں ثم عرج بنا الی السماء السادسه فاذا انا بموسیٰ فرحب لی و دعا لی پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف اوپر لایا گیا وہاں میں نے موسیٰ علیہ السلام کو پایا انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعا کی۔ تیسری حدیث میں ہے لما جاوزت فبکی جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے؟

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق خود علماء نے تصریح کی ہے اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو خود ترجیح دے دی ہے جو تضاد ممتنع ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جا سکتا ہو بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک وشبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمائیے جو معراج اور دیگر معجزات کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہیں ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام اس میں یہ بے عدیل ارتباط اور موزونیت بے مثل ترتیب اور یکسانیت اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضوابط کے مطابق عمل پیرا ہے جنہیں قوانین فطرت (Laws of Nature) کہا جاتا ہے اور فطرت کے قانون اٹل ہیں، ان میں رد وبدل ممکن نہیں ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اس لئے عقل معجزات کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ معراج بھی ایک معجزہ ہے اس لئے یہ بھی عقلاً محال ہے۔ اس کے متعلق گذارش یہ ہے کہ علماء اسلام نے معجزے کی جو تعریف کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانین فطرت کے خلاف ہو اور نوامیس قدرت سے برسر پیکار ہو بلکہ معجزے کی تعریف یہ ہے کہ "الاتیان بامر خارق للعادة بقصد به بیان صدق من ادعیٰ انه رسول الله" (المسامرہ و غیرها من کتب العقائد) یعنی مدعی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قانون فطرت اور نوامیس قدرت کے خلاف ہو۔ ان لوگوں کا اعتراض تو تب قابل التفات ہوتا جب معجزے کو نوامیس قدرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزات

قانون فطرت کے مطابق ہی رو پذیر ہوئے ہوں لیکن ابھی تک وہ قانون فطرت ہمارے ادراک کی سرحد سے ماوراء ہو، یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں اور ذہن انسانی نے ان کا احاطہ کر لیا ہے انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے۔ آج تک کسی فلسفی یا سائنسدان نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا۔

نیز قوانین فطرت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں، یہ بھی نا قابل تسلیم ہے، یہ خیال تب قابل تسلیم ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص وعیب سے مبرا سمجھ لیا جائے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جائے کہ اس کائنات کی آرائش وزیبائش کے لئے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں لیکن اہل خرد کے نزدیک یہ خیال محل نظر ہے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ (miracle) پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

It is an unwarranted idealism and optimism which finds the course of nature so wise and so good that any change in it must be regarded as incredible Ency. Bri. V. 15. P 586

یعنی یہ ایک غیر معقول تصور اور خوش فہمی ہے جو یہ خیال کرتی ہے کہ فطرت کا طریقہ کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں یا نہیں اگر آپ منکر ہیں تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث عبث اور قبل از وقت ہے۔ پہلے آپ کو وجود خداوندی کا قائل کرنا پڑے گا اس کے بعد معجزے کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا اور اگر آپ وجود خداوندی کے قائل تو ہیں لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطرت (Nature) ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا آپ خدا کو خالق کائنات تو مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا اب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر وشر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا تو پھر معجزے کے انکار کی وجہ سمجھ آسکتی ہے لیکن اگر آپ ذات خداوندی کے قائل ہیں اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادر مطلق اور مدبر با اختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی پتہ اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا تو پھر آپ نوامیس فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بنا پر معجزات کا انکار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علت ومعلول اور سبب ومسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے اور ظہور معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت اور حکمت کے پیش نظر خلاف معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ ایک با اختیار ہستی ہے وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے ایک شخص کی سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو دس بجے روزانہ سوتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہوتا ہے اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو آپ اس مشاہدے کا انکار نہیں کر سکتے زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلاف معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے اسی طرح ان قوانین فطرت کو عادت خداوندی اور معمول ربانی سمجھنا چاہیئے اور کسی چیز کا خلاف معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

The Laws of nature may be regarded as habits of the Divine activity, and miracles as unusual acts which while consistent with Divine character, mark a new stage in the fulfilment of the purpose of God. Ency. Bri. V.15 P 586.

یعنی قوانین فطرت کو ہم عادات خداوندی کہہ سکتے ہیں۔ معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیش نظر خلاف عادت ایسا کیا ہے اور یہ قطعاً روا نہیں۔

مغربی فلاسفہ میں سے ہیوم (David Hume) نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی شد ومد سے اس کا انکار کیا ہے۔ اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے وہ توجہ طلب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور متعین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رو پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل وبراہین سے جب تک زیادہ قوی اور مضبوط نہ ہوں اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ثبوت معجزہ کیلئے ایسے وزنی دلائل موجود نہیں۔ اس لئے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم ان کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار ہیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم تمہارا یہ قاعدہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں کیونکہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاج دلیل ہے پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ معجزہ ان تمام

تجربات کے خلاف ہے جب تک آپ اپنی دلیل کی کلیت ثابت نہیں کر سکتے اس وقت تک آپ کی دلیل قابل قبول نہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجربات عامہ ہیں یعنی معجزہ تجربات عامہ کے خلاف ہے تو پھر اس سے تو فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور معمولات کے خلاف ہے تمام تجربات و مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا ہو سکتا ہے کہ یہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو لیکن وہ تجربہ آپ کے فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہو (انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر ۱۵ ص ۵۸۶)

This phrase itself (The miracle in contrary to experience) is as Paley pointed out, ambigious if it means all experience it assumes the point to be proved, if it means only common experience then it simply asserts that the miracle is unusual a truism (Ency. Bri. V. 15 P.586)

استاذ احمد امین مصری ہیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ (of miracle) میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے ان کا ابطال ثابت کیا ہے اس میں اس نے لکھا ہے کہ کیونکہ معجزات ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں اس لئے ناقابل تسلیم ہیں۔ استاذ موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ہیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف تو تمہارا یہ دعویٰ کہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہم بار بار مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ ایسا ہوتا ہے تو یوں ہو جاتا ہے اس لئے ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے جب تمہارے نزدیک علیت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں ہر چیز بغیر تحقیق ملت وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہوا جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کون سی قباحت ہوگی پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ علت حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور یہ امر بھی بغیر علت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفے کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہو گئی ہے۔ (قصۃ الفلسفۃ الحدیثیۃ، جز اول ص ۲۴۵)

اور بعض صاحبان نے اپنے جذبہ تجسس کو یہ تھپکی دے کر سلا دیا کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزہ محض عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انہوں نے معمولی اور عادی واقعات کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا کہ انہیں خرق عادت بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ تحقیق و جستجو کی خار زار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت نہ کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقہ کار ہے لیکن کیا یہ کسی مشکل کا حل ہے کیا اس سے کوئی عقدہ لاینحل کھل سکتا ہے۔ یہ غور طلب ہے۔

آخر میں میں ایک اہم مقالہ کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔ معجزات کے بارے میں جناب محترم سر سید احمد خان نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قوانین قدرت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانون قدرت کے مطابق ہوگا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے اس لئے معجزہ کا خلاف قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانین قدرت اٹل ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردوبدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے کیونکہ نصوص قرآنیہ میں بار بار یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانون قدرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اس لئے ثابت ہوا کہ معجزہ کا وقوع باطل ہے۔

آپ نے سید محترم کا استدلال ملاحظہ فرما لیا۔ انہوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا ابطال کیا ہے حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علماء اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہوں بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو نیز معجزات کو قوانین فطرت کے خلاف، کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہو سکتا جب کہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کر لے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سنن الٰہیہ کے خلاف ٹھہرانا سراسر لغو ہے۔

بہر حال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اس کے قادر مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامہ خیر و شر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبض ہستی محو خرام ہے اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہیے جو صحیح اور قابل وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآن کریم میں حضور سرور کائنات ﷺ کے اس عظیم ترین معجزہ کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چون و چرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں وہ سچ ہیں اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

واقعہ معراج کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول ﷺ کو زمین و آسمان بلکہ ان

سے بھی ماوراء اپنی قدرت و کبریائی کی آیات و بینات کا مشاہدہ کرایا بلکہ اس میں ستم رسیدہ اہل اسلام کے لئے بھی ایک مژدہ ہے کہ شب غم اب سحر آشنا ہونے والی ہے۔ تمہارا آفتاب اقبال ابھی طلوع ہوا چاہتا ہے۔ شرق و غرب میں تمہاری سطوت کا ڈنکا بجے گا لیکن مسند اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پروردگار کو فراموش نہ کرنا اس کی یاد اور اس کے ذکر میں غفلت سے کام نہ لینا اور اگر تم نے نشہ حکومت سے بدمست ہو کر نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی تو پھر ان کے ہولناک نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ دیکھو! تم سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے فرعون کی غلامی اور ظلم و ستم سے نجات دی، بحر احمر کو ان کے لئے پایاب کیا، ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے جابر دشمن کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئیں لیکن جب انہیں عزت و وقار بخشا گیا تو وہ اپنے مالک حقیقی کے احکام سے سرتابی کرنے لگے اور اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے انہوں نے نافرمانی اور ناشکر گذاری کو اپنا شعار بنا لیا تو ہم نے ان پر ایسے سنگدل دشمن مسلط کر دیئے جنھوں نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور ان کے مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس عبرت آموزی کے لئے واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔

❁ ❁ ❁

سانحہ لال مسجد و جامعہ حفصہ، قصوروار کون؟؟؟

ڈاکٹر منظور حسین

سانحہ لال مسجد و جامعہ حفصہ مسلمانان عالم پر عموماً اور پاکستانی مسلمانوں پر خصوصاً بجلی بن کر گرا اور ذہنوں پر پریشانی کے ساتھ کئی سوالات چھوڑ گیا۔ مغرب اور مغرب زدہ طبقہ جو دین اور دینی مدارس کو پہلے ہی دہشت گردی کے "سکول" قرار دیتے تھے اب انھیں واضح جواز مل گیا۔ اس سانحہ نے مسلمانوں کے سر شرم سے جھکا دیئے ہمارے پاس اس سوال کا کیا جواب ہے کہ دینی مدرسوں سے جدید اسلحہ برآمد ہوتا ہے؟ دینی مدارس میں علماء کی بجائے جنگجو اور دہشت گرد تیار ہو رہے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں واقع ایک مسجد میں اس قدر اسلحہ کیسے آیا؟ جبکہ مسجد و مدرسہ کے ساتھ ایک انتہائی حساس ادارے کا دفتر بھی ہے؟ لائبریری پر قبضہ کیوں ہوا؟ اور اس پر خاموشی کیوں اختیار کی گئی؟ سرکاری زمین پر زبردستی مسجد و مدرسہ کیسے بن گیا؟ ان کی پشت پناہی کون کر رہا تھا؟ غازی برادران اپنے ہی بزرگوں کی بات کیوں نہیں مان رہے تھے؟ وفاق المدارس اور غازی برادران کے دیگر ہم مسلک علماء نے غازی برادران سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیوں کیا؟ کون سی طاقت تھی جس نے ایک بھائی کو برقعہ اوڑھا کر فرار ہونے کا سبق دیا اور دوسرے بھائی کو ضد و انا پر مرنے کے لئے تیار کیا؟ مذاکرات ناکام ہونے میں کس کا ہاتھ ہے؟ 14 جولائی کے روزنامہ "جنگ" لاہور کے اداریہ نے چونکا دینے والا سوال اٹھایا "کہ اسلام آباد کے عین قلب میں اور وفاقی حکومت کی ناک کے عین نیچے کلاشنکوفوں، راکٹ لانچروں، ہینڈ گرنیڈوں، بموں اور گولیوں کے انبار سالہا سال تک کس طرح جمع ہوتے رہے؟ یہ ہمارے انٹیلی جنس اداروں کی "کارکردگی" کے بارے میں اٹھنے والا ایک بڑا سوال ہے اور قوم یہ پوچھنے کا حق رکھتی ہے کہ جن اداروں پر وہ اربوں روپیہ سالانہ اس طرح خرچ کرتی ہے کہ اس کے باضابطہ یا قاعدہ آڈٹ کا اہتمام بھی خالصتاً ان کا اندرونی معاملہ سمجھا جاتا ہے وہ اگر لال مسجد اور جامعہ حفصہ جیسے اداروں کے اندر وجود میں آنے والے انتہائی مسلح مراکز سے اس طرح بے خبر رہ سکتے ہیں تو دشمن ممالک کی سازشوں اور چالوں سے وہ کس حد تک آگاہ رہ سکتے ہیں۔

جنرل مشرف کا بیان کہ وہ رینجرز کو فوج کی طرح مسلح کریں گے اور ان کی فورس اب دہشت گردوں سے ٹکرائے گی۔ ایمن الظواہری کا بیان کہ لال مسجد کا بدلہ لیا جائے گا اور امریکی انٹیلی جنس کے سینئر عہدیدار تھامس تھنڈر کا اعلان کہ ایمن الظواہری اور القاعدہ کے دیگر عہدیدار پاکستان میں موجود ہیں۔ یہ کہیں کسی بڑے سانحہ کا پیش خیمہ تو نہیں؟ ابھی ہمیں اور کتنے سانحات سے گذرنا ہے ہمیں پاکستان میں استحکام دیکھنے کیلئے اور کتنی قربانیاں دینی ہیں؟

قوم کا ہر فرد یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر قصور کس کا ہے؟ ہمارے خیال میں قصور کسی کا بھی ہو لیکن اس سارے معاملے میں ذمہ دار سادہ لوح عوام بھی ہے جو اسلام کے نام پر نام نہاد لیڈروں کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اسلام کا نعرہ لگانے والے ہر شخص کو مخلص اور سچا قائد تصور کر بیٹھتے ہیں۔ کیا یہ اپنی ذات کے ساتھ ظلم نہیں کہ ہم کچی مٹی کا گھڑا خریدتے ہوئے تو اسے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں کہ کہیں 5,10 روپے ضائع نہ ہو جائیں لیکن راہ دین کا راہبر چنتے ہوئے ذرا بھی سوچ بچار سے کام نہیں لیتے۔ پاکستانی سادہ لوح عوام کو اس جانب بھی توجہ کرنا چاہیئے۔ خذ و حذر کم ۔۔۔۔۔

دور حاضر کے جید علما، و مشائخ اور مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی شخصیات کی آراء کو اکٹھا کر کے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تاکہ قارئین کے ذہنوں میں جو سوالات گردش کر رہے ہیں شاید ان کا جواب مل سکے۔ اس مضمون کی تیاری میں مولانا مقصود الرحمٰن کے بے حد ممنون ہیں۔

؎ وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی جامعہ نعیمیہ لاہور:

جنوری 2007 میں حکومت پاکستان نے اسلام آباد میں 6 مساجد کو شہید کرنے کا اعلان کیا۔ جس کے نتیجے میں مساجد کے منتظمین اور حکومت کے درمیان ایک کشمکش پیدا ہوئی نیز حکومت نے یہ بھی اعلان کیا کہ جو مساجد تجاوزات کے زمرے میں آتی ہیں ان کو بھی اپنی حدود میں رہنے کا پابند کیا جائے گا اتفاق ایسا کہ لال مسجد جامعہ حفصہ، جامعہ فریدیہ بھی تجاوزات کے زمرے میں آتے تھے چنانچہ اس مسجد اور مدرسوں کو بچانے کے لئے غازی برادران نے حکومت کے خلاف یہ مؤقف اختیار کیا کہ ہم اسلام آباد میں نظام اسلام کو نافذ کر کے ہی چھوڑیں گے۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے قانون کو ہاتھ میں لیتے ہوئے ایسے اقدامات بھی کئے جو غیر قانونی قرار پاتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض ایسے اقدامات بھی اٹھائے جس سے بین الاقوامی طور پر اسلام اور پاکستان کی بدنامی ہوئی مثلاً چائنہ کے مساج سنٹر پر حملہ، لوگوں کا اغوا، ان سے اعلان توبہ کروانا، اگر ان مقامات پر غیر اسلامی کام ہوتے تھے تو اولاً ان اداروں سے رابطہ کیا جاتا جو آئینی اور قانونی طور پر بند کرواتے کے پابند ہیں لیکن براہ راست اقدامات کر کے امریکہ کے مؤقف کو تقویت پہنچاتے ہوئے پاکستان اور چائنہ کے تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش کی گئی۔

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ نے شروع میں اس مسئلہ میں دلچسپی لے کر ایسا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی جس کے ذریعے اس مسئلہ کو بہتر انداز میں حل کیا جا سکے لیکن کچھ طاقتیں پس پشت رہ کر اس مسئلہ کو حل نہیں کرانا چاہتی تھیں حتیٰ کہ وفاق المدارس میں مذاکرات کے ذریعے غازی برادران کو قانونی اور آئینی راستہ اختیار کرنے پر زور دیا لیکن جب وہ مایوس ہوئے تو انھوں نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لیا۔ اور انہی کا بیان ہے کہ لال مسجد والوں کے مطالبات اگر چہ صحیح ہیں لیکن طریقہ کار غلط ہے جس کی بنا پر ہم ان کی تائید نہیں کر سکتے۔ تیسری طاقت (ایجنسیاں، امریکی تکون (امریکہ، انڈیا، افغانستان) نے اپنا کام جاری رکھا اور دونوں کو ایک دوسرے کے مدمقابل لا کر حکومت سے آپریشن کروایا۔ اس آپریشن میں مولوی عبدالعزیز نے برقعہ پہن کر راہ فرار اختیار کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے مدارس، دینی اداروں، اسلام کو بدنام کرنے کی سازش کو دو آتشہ کر دیا اور اس کے ساتھ علماء کا وقار بھی مجروح کر ڈالا۔

اگر دیکھا جائے تو لال مسجد اہل سنت کی مسجد تھی۔ صدر ایوب کے دور صدارت میں پیر عبدالمجید خضری آف دیول شریف نے لال مسجد پر مولانا عبداللہ کی بطور امام وخطیب تعیناتی کی سفارش کی کیونکہ اس وقت مولانا عبداللہ نے پیر صاحب سے خلافت حاصل کر رکھی تھی۔ لیکن پیر صاحب اور صدر صاحب کے جانے کے بعد مولانا عبداللہ اپنے اصل روپ میں سامنے آگئے۔ اور اس طرح لال مسجد کو دیوبندی مسلک کی مسجد کے طور پر متعارف کروایا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ یہ مسجد جس مسلک والوں کی تھی انہی کو واپس کی جائے۔

تنظیم المدارس اہل سنت کا واضح مؤقف اس بارے میں اخبارات میں آچکا ہے کہ ہمارے نزدیک دونوں فریق مجرم ہیں اور دونوں نے اپنے کردار سے نہ تو اسلام کی خدمت کی اور نہ پاکستان کی۔

مفتی محمد منیب الرحمٰن، تنظیم المدارس پاکستان:

لال مسجد کا سانحہ دو ایجنسیوں کے مابین طاقت کے مظاہرہ کے باعث رونما ہوا۔ ایک ایجنسی آخری وقت تک عبدالرشید غازی کو کچھ نہیں ہو گا کی رپورٹ دیتی رہی لیکن فتح اس ایجنسی کی ہوئی جو زیادہ طاقتور اور صدر مشرف کے قریب تھی۔ یہ احتساب کا وقت ہے اور ہم نے اس سے زیادہ مشکل دور پہلے نہیں دیکھا۔ اس دور میں یہ "متھ" بھی ختم ہو گئی ہے کہ مسجد یا مدرسوں پر حملہ نہیں ہو سکتا انھوں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ لال مسجد کے غازی برادران اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اس انجام کو پہنچے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکومتی اقدامات کی حمایت کی جائے ان معاملات کو بگاڑنے اور ایسے سانحہ کو جنم دینے میں حکومت اور لال مسجد کی انتظامیہ برابر کی شریک ہے۔

مفتی الشیخ عبدالعزیز سعودی عرب:

سعودی عرب کے مفتی اعلیٰ عبدالعزیز الشیخ نے یہ اپیل کی ہے کہ " فرضی جہاد کے لئے اکسانے اور ورغلانے والوں سے ہوشیار رہیں۔ جہاد کی آڑ میں دوسروں کے لئے خود کو استعمال ہونے کا موقع نہ دیں۔ سعودی مفتی اعلیٰ نے ایک عربی روزنامہ سے انٹرویو کے دوران کہا کہ ایک گروہ عالم اسلام میں فتنہ پھیلانا چاہتا ہے یہ لوگ عوام کو راہ حق سے بھٹکانے کی مہم چلا رہے ہیں۔ جبکہ یہ عناصر اپنی اولادوں کو مصائب سے محفوظ رکھتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نیت خراب ہے فرضی جہاد کا درس دینے والے یہ لوگ اپنی جماعت سے تعلق نہ رکھنے والوں کا کافر سمجھتے ہیں اور ان کی جان، مال، عزت آبرو کی پامالی کو جائز تسلیم کرتے ہیں۔" (بشکریہ روزنامہ "جنگ" 21 جولائی 2007)

خواجہ سعد رفیق (مسلم لیگی رہنما، ممبر قومی اسمبلی):

لال مسجد کا واقعہ ابھی تک عوام کی نظروں سے اوجھل ہے۔ اصل حقائق منظر عام پر لائے جائیں اور فوجی جوانوں سمیت عورتوں، بچوں اور طلباء کی جو تعداد لال مسجد کے اندر جاں بحق ہوئی اس کی اصل تعداد حکومتی تعداد سے کافی زیادہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ مسجد اور مدرسے میں دنیا کا جدید ترین اسلحہ، گیس ماسک کون لے کر گیا۔ جب جدید اسلحہ لال مسجد کے اندر جا رہا تھا تو اس کے ساتھ ہی آئی ایس آئی کا دفتر ہے، کیا وہ اس سے بے خبر رہی؟ دوسری حکومتی ایجنسیاں کیا کرتی رہیں؟ کیا وہ صرف سیاست دانوں اور ججوں کے گھروں تک محدود ہوگئی ہیں جہاں پر ایجنسیاں اصل ہدف سے ہٹ کر کام کریں تو پھر ان ملکوں میں لال مسجد والے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔

ارشاد احمد حقانی سینئر صحافی و کالم نگار:

پاکستان کے دینی مدرسوں کے بارے میں مغربی حلقوں اور کچھ قومی حلقوں میں بہت سے خدشات پائے جاتے ہیں اور ان کو دہشت گردی اور انتہا پسندی کی تربیت کے مراکز سمجھا جاتا ہے اس الزام میں صداقت کا کوئی قابل ذکر عنصر نہیں ہے لیکن لال مسجد کے واقعے سے اس مخالفانہ رائے میں بہت زیادہ وزن پیدا ہو جائے گا اور اگرچہ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان میں شاید ہی کوئی دوسرا مدرسہ یا مسجد اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث ہو جیسی سرگرمیوں کا صدور اس کمپلیکس سے ہوا۔ ہم اس کمپلیکس کی تشکیل اور تعمیر اور ارتقاء و عروج کو پاکستانی مدارس میں ایک انتہائی تکلیف دہ اور ضرر رساں استثنائی مثال سمجھتے ہیں۔ مذہبی حلقوں اور جدید تعلیم یافتہ پاکستانیوں کے درمیان فکر و نظر کے اختلافات تو موجود ہیں لیکن لال مسجد نے جو رنگ اور رخ اختیار کیا اس کی تائید مذہبی حلقوں نے بھی نہیں کی۔ بلکہ اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اس سارے واقعے کی اعلیٰ سطحی عدالتی تحقیقات ناگزیر ہے اور اس کے بغیر بہت سے جوابات نہیں مل سکتے۔ (روزنامہ 'جنگ' 13 جولائی)

ڈاکٹر عامر لیاقت حسین معروف مذہبی سکالر، و کالم نگار:

اس وقت ایک ہی سوال سب کے سامنے ہے کہ مولانا عبدالرشید غازی اور ان کے چند مورچہ بند جنگجو کیا واقعی یہ سمجھتے تھے کہ وہ اسلام آباد کے وسط میں موجود ایک بڑی مسلح فوج کو شکست دے کر اقتدار چھین لیں گے؟ اگر ایسا تھا تو پھر مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ جنونیت نے ہوش مندی کو بڑی بیدردی سے تاراج کر دیا۔ لال مسجد والوں کے مطالبات سے کسی کو انکار نہیں مگر ہر اسلام پسند ان کے طریقہ کار کو ناگواری سے دیکھتا ہے۔ کسی عالم دین نے ان کے طریقے سے اتفاق نہیں کیا اور کیا جانا بھی نہیں چاہیے۔ اللہ کے دین اور سنت رسول ﷺ میں تو از خود اتنی کشش ہے کہ سینوں میں رتی بھر بھی یقین رکھنے والے دامن شفاعت کی جانب کھنچے چلے جاتے ہیں بس! بتلانے اور بات سمجھانے کا طریقہ آنا چاہیے۔ ضد اور انا کا لہجہ کسی کے دل پر اثر نہیں کرتا بلکہ پلٹتے ہوؤں کو پھر پلٹا دیتا ہے۔ ضد تقرار اور اصرار تو شیطان کا شیوہ ہے اور تسلیم و اقرار اور اعتبار ایمان کی نشانی۔ مدرسے کے طلباء منہ پر ڈھاٹے باندھے اور ہاتھ میں ہتھیار اٹھائے اچھے نہیں لگتے بلکہ آئمہ اربعہ کی طرح ایسے فتوے دیتے ہوئے بھلے لگتے ہیں جن کے آگے وقت کے بڑے بڑے سلطانوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ ہمیں اس وقت ابو حنیفہ کی ضرورت ہے، محمد مالکؒ کی تڑپ ہے اور ادریس شافعی کا انتظار ہے، احمد بن حنبلؒ کی راہ تک رہے ہیں اور جعفر صادقؒ کے منتظر ہیں کہ زمین جب ایسے اماموں کو پاکر اطمینان کا سانس لیتی ہے تب ہی موسیٰ بن نصیر، محمد بن حنفیہ، مختار ثقفی، ابو مسلم خراسانی اور نفس ذکیہ جیسے نفوس قہر خداوندی بن کر حق اور باطل کے درمیان ہمیشہ کیلئے تفریق کر جاتے ہیں۔" (روزنامہ "جنگ" 13 جولائی)

مفتی محمد خان قادری، جامعہ اسلامیہ لاہور:

جامعہ حفصہ اور لال مسجد کا واقعہ پوری امت مسلمہ کے لئے بالعموم اور اسلامیان پاکستان کے لئے بالخصوص گہری تشویش اور افسوس کا باعث ہے۔ اس سانحہ کے ذمہ داران کو قرار واقعی سزا دی جانا انصاف کا تقاضا ہے۔ ہمارے نزدیک لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی انتظامیہ نے بھی بے تدبیری کا مظاہرہ کیا ہے اور گورنمنٹ نے بھی عجلت میں بے گناہ طالبات اور طلبہ کو ابدی نیند سلا دیا۔ ہماری ملکی تاریخ میں درس گاہوں اور عبادت گاہوں کے حوالے سے یہ ایک تاریک باب ہے۔ اس سلسلہ میں عدلیہ کو غیر جانبدارانہ فوری تحقیقات کروا کر دونوں فریقوں میں سے تجاوز اور زیادتی کے مرتکب کو سزا دینی چاہیے۔ نیز 12 مئی 2007ء اور 14 فروری 2005ء کے لاہور کے واقعات کو سرد خانے میں محفوظ کرنے کی بجائے ان کی تحقیقات کرائی جائیں۔

جانشین محدث قصوری پیر مفتی صفدر علی قادری (جمعیت علماء پاکستان):

میرے خیال میں دونوں طرف سے غلطیاں ہوئیں حکومت نے ضد پوری کی جس سے طلباء وطالبات مارے گئے، دوسری طرف غازی برادران کے شرعی نظام لانے کا مطالبہ عیاشی وفحاشی کا خاتمہ، عورتوں کے حجاب، یہ تمام اسلامی مطالبات درست تھے مگر انداز درست نہ تھا۔ اس واقعہ سے ملک کو ناتلافی نقصان پہنچا ہے۔ لال مسجد و جامعہ حفصہ جیسے واقعات سے پاکستان کا گراف عالمی سطح پر بہت نیچے جا رہا ہے۔ صدر پرویز مشرف کو چاہئے کہ علماء اور سیاسی جماعتوں سے خلوص کے ساتھ مشاورت کریں۔ مزید حالات خراب ہونے سے پہلے بیٹھ کر حل نکالیں تاکہ پاکستان کا کھویا ہوا وقار بحال ہو سکے۔

معروف صحافی محمد سلیم قریشی:

مذہب اسلام سے دلی وابستگی رکھنے والے طبقے بے چین ہیں جبکہ ہر مذہب بیزار، نام نہاد روشن خیال اور لبرل شخص علمائے کرام اور دینی مدارس کا منفی تاثر اجاگر ہونے پر خوش ہے۔ وہ فقرے اور مفروضے جو تکیہ کلام کی طرح بولے جاتے تھے کہ دینی مدارس میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، دینی مدارس عصری تقاضوں سے نا آشنا ہیں، اس عالمگیر پروپیگنڈے کو ایک نئی قوت مل گئی۔ اب کسی بھی مسجد اور مدرسے سے نفاذ شریعت کا مطالبہ با آسانی انتہا پسندی، دہشت گردی اور حالات کو بگاڑنے کی کوشش قرار دیا جائے گا۔ شہادت جہاد اور نفاذ شریعت جیسی حیات آفریں اسلامی اصطلاحات، صدیوں سے مسلمان اور علمائے دین اپنے خون جگر سے جن کی آبیاری کرتے آئے ہیں، لال مسجد والے ان کی اصل روح سے دنیا کو آشنا کر سکے اور نہ ہی امت مسلمہ کی کوئی خدمت کر سکے۔ عام مسلمانوں کو یہ باور کرانا بہت آسان ہو گیا کہ اسلامی نظام کے قیام کے دعویدار محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے یہ نعرے بلند کرتے ہیں۔ ایک امریکی تھنک ٹینک کی تحقیقی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "مسلمانوں کا بنیاد پرست طبقہ اسلام کے جارحانہ اور توسیع پسندانہ تصور پر کامل یقین رکھتا ہے اور حصول مقاصد کے لئے ضرورت پڑنے پر تشدد کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتا۔ سیاسی اقتدار کا حصول اس طبقے کا اصل مطمح نظر ہوتا ہے تاکہ وہ بزور قوت انتہائی سخت نوعیت کے مذہبی احکامات پر عمل درآمد کو معاشرے میں یقینی بنا سکے۔

معروف صحافی جناب مختار احمد بٹ:

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مولانا رشید غازی نے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کی التجا ٹھکرا دی اور سیکورٹی فورسز سے لڑنے کو ترجیح دی۔ جو کہ ایک غلط سوچ تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب لال مسجد کی انتظامیہ نے بچوں کی لائبریری پر ناجائز قبضہ کیا تو حکومت خاموش رہی اور مصلحت کا شکار ہوئی یہی وہ موقعہ تھا جب حکومت کا چاہئے تھا کہ وہ اپنی رٹ قائم کرتی کاش اگر ہم نے یہ قدم اٹھایا ہوتا تو آج جو صورتحال پیدا ہوئی ہے اس سے بچا جا سکتا تھا تاہم اس سارے معاملے کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ شہر کے بیچ میں کس طرح سے ایک مسجد اور مدرسہ جو صرف دینی تعلیم کے لئے وقف ہوتے ہیں، جنگجوؤں میں تبدیل ہوا لال مسجد کے اندر کیا قانون نافذ ہوا تھا اور وہ انتظام کس طرح چلانا چاہتے تھے، یہ ان کا حق تھا لیکن مسجد کے باہر مسجد کے اندر والا قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا جہاں سے مکان یا مسجد کی باؤنڈری ختم ہوتی ہے وہیں سے حکومت کی رٹ شروع ہوتی ہے۔ اور اس کو ہر وقت قائم رہنا چاہئے یہ حکومت کی نرمی کا نتیجہ ہی تھا کہ لال مسجد کی انتظامیہ نے ریاست کے اندر ایک ریاست قائم کرنے کی صرف کوشش ہی نہیں کی بلکہ اس کو عملی جامہ بھی پہنانا شروع کر دیا تھا حالات اس وقت بگڑے جب ہمارے پڑوسی ملک چین کی خواتین کو مساج پارلر سے اٹھایا گیا یہ ایک انتہائی قدم تھا اس سے پاکستان اور چین کے درمیان لازوال رشتوں کو دھچکا لگا اس کے علاوہ ساری دنیا میں پاکستان کا امیج مجروح ہوا۔ تاہم لال مسجد کے حوالے سے چند ایسے سوالات جنم لے رہے ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔ ایک ہی دینی درس گاہ اور مسجد میں آٹومیٹک ہتھیاروں کا ہونا، بارودی سرنگوں، گرنیڈز، خودکش حملوں میں استعمال ہونے والی بیلٹس (اس کا اعتراف مولانا رشید غازی نے خود بھی کیا تھا) راکٹ لانچرز مشین گنز، ماسکس اور دوسرے ہلکے ہتھیاروں کی برماریاں ظاہر کرتی ہے کہ لال مسجد کے اندر ایک چھوٹی آرڈیننس فیکٹری قائم تھی اور کسی کو کان وکان خبر نہ ہوئی اس حوالے سے ہمارے ملک کی تمام انٹیلی ایجنسیوں کی ناکامی کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے پاکستان کے کیپٹل میں جہاں ملک کی سب ہی ایجنسیاں موجود ہیں اور ہر وقت چوکس رہتی ہیں یہ بات باعث حیرت ہے کہ لال مسجد کے اندر جدید قسم کا اسلحہ جمع ہوتا رہا اور کسی کو خبر نہ ہوئی اس پر ایک اعلیٰ سطح پر انکوائری کی ضرورت ہے اور پھر قطع نظر اس کے کہ کس نے یہ کوتاہی کی ہے اسے نہ صرف فارغ کیا جائے بلکہ سزا بھی دی جائے۔

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ (جرمنی):

سانحہ لال مسجد نے جہاں ملک میں بے چینی پیدا کی وہاں بیرون ملک اس کے انتہائی گھناؤنے اثرات مرتب ہوئے۔ نائن الیون کے واقعے کے بعد انٹرنیشنل سطح پر مسلمانوں کے خلاف ایک منظم پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے ایسے ماحول میں مسلمانوں کو عموماً اور مذہبی راہنماؤں کو خصوصاً انتہائی محتاط رویہ اپنانا چاہیے۔ لڑکیوں کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھما کر چلڈرن لائبریری پر قبضہ کرنا کون سا اسلام ہے؟ ریاست کے اندر غداری کرنا کون سا اسلام ہے؟ اسلحہ و بارود کی آڑ میں ملک و مذہب کو بدنام کرنا یہ کون سا اسلام ہے؟ حکومت کو شروع سے ہی ان کی گرفت کرنا چاہیے تھی۔ دراصل قوم کو پھر حضرت داتا علی ہجویری، غوث اعظم، خواجہ غریب نواز، حضرت مجدد الف ثانی اور ان ایسے سینکڑوں صوفیائے کرام کے طرز عمل کی ضرورت ہے جن کی وجہ سے اسلام ہم تک پہنچا اور جو اسلام کی عظمت و بلندی کی علامت ہیں۔

دینی مسائل اور ان کا حل

"مسائل دین ودنیا" کے عنوان کے تحت قارئین کرام کے ان سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں جو کارزارِ حیات میں مختلف اعمال وافعال کی بجا آوری کے دوران انسانی ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پھر ذہنی وروحانی الجھنوں کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کو بھی کوئی الجھن درپیش ہو یا ذہن کے نہاں خانے میں کوئی سوال پیدا ہوکر پریشان کررہا ہو تو فوراً لکھیے۔ آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ اس سوال کا شافی وکافی جواب دیا جائے گا۔

محمد لیاقت علی مفتی

☆ سوال: بعض مساجد اور خانقاہوں میں وضو کرنے کے لئے بڑے بڑے حوض بنائے گئے ہوتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہاں وضو کرتے ہوئے ان کے اعضائے وضو سے پانی اس حوض میں گرتا ہے۔ کیا اس مستعمل پانی کے حوض میں گرنے سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا؟ (محمد عارف، راولپنڈی)

✿ جواب: سوال میں جن حوضوں کا ذکر کیا گیا عام طور پر وہ دہ در دہ سے بڑے ہوتے ہیں ایسی صورت میں اگر ان کے ایک جانب نجاست گر جائے تو بھی دوسری جانب سے وضو جائز ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ماء مستعمل تو بذاتِ خود پاک بھی ہوتا ہے۔ ہاں وہ پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ایسے پانی کے مطلق پانی میں ملنے کی صورت میں غلبے کا اعتبار ہوگا۔ یعنی اگر ماء مستعمل مطلق پانی کے برابر ہوگیا یا اس سے زائد تو اس صورت میں کل پانی ماء مستعمل کے حکم میں ہو کر اس سے وضو ناجائز ہوگا۔ لیکن اگر ماء مستعمل مقدار میں کم ہوا تو کل پانی طاہر مطہر ہی قرار پائے گا۔ لہٰذا اس سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ میں درمختار کے حوالے سے لکھا

"غلبة المخالط لو مماثلا كمستعمل فبالاجزاء فان كان المطلق اكثر من النصف جاز التطهير بالكل والا لا"

"یعنی اگر پانی میں اس جیسی کوئی چیز مل گئی جیسے ماء مستعمل تو غلبے کا اعتبار اجزاء کے اعتبار سے ہوگا۔ اگر مطلق پانی نصف سے زیادہ ہو تو تمام پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہوگا ورنہ نہیں"۔

☆ سوال: ایک آدمی چار رکعت فرض نماز ادا کر رہا تھا۔ آخری رکعت کے بعد قعدہ کرنا بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اب وہ کیا کرے؟ (نعمان احمد، ملتان روڈ لاہور)

✿ جواب: آخری رکعت کے بعد قعدہ (تشہد میں بیٹھنا) فرائض نماز میں سے ہے۔ اگر کوئی آدمی قعدہ کیے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو یاد آنے پر تشہد کی طرف لوٹ آئے گا جب تک کہ اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا۔ اب اگر وہ لوٹ آیا تو سجدہ سہو کر کے نماز مکمل کرے فرض ادا ہو جائیں گے۔ لیکن اگر پانچویں رکعت بھی مکمل کر لی بعد میں یاد آیا تو اب وہ ایک اور رکعت ساتھ ملائے۔ اب کل چھ کی چھ رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ اور فرض باطل ہو جائیں گے۔ لیکن سجدہ سہو اس صورت میں بھی کرنا ہوگا۔ اس مسئلے کی دوسری جہت یہ ہے کہ اگر آخری رکعت کے بعد اس نے قعدہ کیا پھر قعدہ اولیٰ کے گمان سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اس صورت میں بھی زائد رکعت کے سجدہ سے پہلے پہلے واپس آ کر سجدۂ سہو کے ساتھ فرض مکمل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اب ایک اور رکعت ساتھ ملا کر سجدۂ سہو کر لے اب چونکہ قعدہ اخیرہ کا فرض پایا گیا تھا۔ لہٰذا پہلی چار رکعتیں فرض ہو جائیں گی اور بعد کی دو نفل۔

☆ سوال: بعض لوگ ماہ رجب میں کونڈوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اس معمول کو حضرت معاویہ کی وفات کی طرف منسوب کرتے ہوئے ناجائز قرار دیتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ (محمد ارشد، ملتان)

✿ جواب: ماہ رجب میں کونڈوں کا ختم محض ایصال ثواب کی نیت سے کیا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایصال ثواب جائز ہے؟ ظاہر ہے اس

جائز ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ گویا اصل فعل ایصال ثواب ہے نام اسے کونڈوں کا دے دیا جائے یا گیارہویں کا یا چہلم وغیرہ کا۔ پھر یہ بھی کہ کونڈوں کا ختم حضرت امام جعفر صادقؒ کی نسبت سے دلوایا جاتا ہے۔ آپ کا معمول مبارک تھا کہ آپ رجب شریف میں یہ محفل منعقد کروایا کرتے تھے۔ پہلے پہل تو یہ معمول اہل بیت اطہار تک ہی محدود تھا بعد ازاں محبین اہلبیت نے بھی یہ مشرب اختیار کرنا شروع کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ایصال ثواب کے جواز میں کسی قسم کا شک ہونا چاہئے اور نہ ہی محبت اہل بیت میں کسی قسم کی کوتاہی۔ ہاں یہ بات ضرور وضاحت طلب ہے کہ اگر کوئی بھی آدمی صرف کونڈے نہیں کوئی بھی فعل کسی صحابی کی وفات کی خوشی میں کرے تو اس کے مردود ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن ایک کام کرنے والا کہے کہ میں اس نیت سے کر رہا ہوں کوئی دوسرا زبردستی کہے نہیں تیری نیت یہ ہے تو علیم بذات الصدور صرف اللہ کی ذات ہے۔ کسی اور کو یہ دعویٰ زیب نہیں دیتا۔

☆سوال:۔ ایک آدمی والدہ کے فوت ہو جانے کے باعث اپنی دادی کا دودھ پی کر بڑا ہوا۔ کیا وہ اپنی چچازاد کزن سے نکاح کر سکتا ہے؟ نیز یہ کہ ثبوت رضاعت میں گواہی کس کی معتبر ہوگی؟ (محمد امین۔ راولپنڈی)

✿ جواب۔ جب مذکورہ شخص نے اپنی دادی کا دودھ پی لیا تو اب اس کے تمام چچا اور پھوپھیاں اس کے دودھ شریک بھائی اور بہنیں بن گئے۔ اس اعتبار سے ان کی اولاد اس کے بھتیجے بھتیجیاں اور بھانجے بھانجیاں قرار پائیں گی اور معروف فقہی قاعدے ''حرم بہ ما حرم بالنسب'' کے تحت یہ تمام لوگ اس کے لئے حرام ہو جائیں گے۔ لہٰذا ان کے ساتھ اس کا نکاح جائز نہ ہوگا۔ سوال کا دوسرا حصہ ''گواہی کس کی معتبر ہوگی'' کے جواب میں فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں ''ولا تقبل فی الرضاع شهادة النسآء منفردات وانما يثبت بشهادة رجلين او رجل وامرأتين'' یعنی ثبوت رضاعت کے لئے صرف عورتوں کی گواہی کافی نہ ہوگی بلکہ رضاعت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے۔

☆سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پانچ ماہ گزر گئے اس نے رجوع نہ کیا۔ پانچ ماہ بعد اس نے دوسری اور پھر مزید دو ہفتے بعد تیسری طلاق بھی دے دی۔ اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ (احتشام الدین، گوجرانوالہ)

✿ جواب:۔ مذکورہ صورت میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی ہے۔ چونکہ جب اس نے ایک طلاق پر بغیر رجوع کے عدت گزار دی تو وہ طلاق رجعی نہ رہی بائن ہوگئی۔ اور میاں بیوی کا نکاح ختم ہوگیا۔ اس کے بعد دوسری اور اور تیسری طلاق کا چونکہ محل ہی باقی نہ رہا لہٰذا دوسری اور تیسری طلاق کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ اور اگر وہ دونوں دوبارہ آباد ہونا چاہیں تو نکاح جدید کے ذریعے ایسا کر سکتے ہیں۔

☆سوال:۔ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ غصے میں خاوند نے بیوی سے کہا ''جا میری طرف سے تو آزاد ہے'' ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ (توقیر احمد، راولپنڈی)

✿ جواب:۔ ''جا میری طرف سے تو آزاد ہے'' یہ الفاظ از قسم کنایات ہیں۔ اور کنایات سے نسبت یا قرینہ حال کے پائے جانے کی صورت میں بعض اوقات ایک طلاق رجعی اور بعض اوقات ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ صورت مذکورہ میں چونکہ حال کا قرینہ طلاق پر دلالت کر رہا ہے۔ لہٰذا ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب شرح وقایہ میں امام صدر الشریعہ فرماتے ہیں ''وكنايته مالم يوقع له واحتمله وغيره فلا نطلق الا بنيته او دلالة الحال ...... وبها تقع واحدة رجعية وبباقيها ...... تقع واحدة بائنة'' اور کنایہ الفاظ جو طلاق کے لئے وضع نہ کیے گئے ہوں اور ان سے طلاق اور غیر طلاق دونوں مراد ہو سکتے ہوں تو ان سے صرف نیت یا دلالت حال کے ساتھ ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے جبکہ باقی کنایات سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

✿ ✿ ✿

دور حاضر میں عورتوں کا مساجد اور دینی محافل میں شرکت کرنے کا مسئلہ

عبدالرسول منصور الازہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ان النساء كن في عهد رسول الله ﷺ اذا سلّمن من المكتوبة قمن وثبت رسول الله ﷺ ومن صلى من الرجال ماشاء الله فاذا قام رسول الله ﷺ قال لرجال:

عہد رسالت مآب ﷺ میں خواتین فرضی نماز کے ختم ہونے پر مسجد سے نکل جاتیں اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے لوگ بیٹھے رہتے جب آپ کھڑے ہوتے تو وہ بھی کھڑے ہو جاتے۔

2: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ان كان رسول الله ﷺ ليصلي الصبح ينصرف النساء متلفعات بمر وطن ما يعرفن من الغلس

عہد نبوی ﷺ میں عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی نماز فجر پڑھ کر مسجد سے چلی جاتیں اور اندھیرے کی وجہ سے ان کی پہچان نہ ہوتی۔

3: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قال رسول الله ﷺ انی لا قوم الى الصلوة أريد أن أطول فيها فأسمع بكاء الصبي فأتجوّز في صلاتي كراهية أن أشق على أمّة

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نماز میں قیام کو لمبا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اُمت پر شفقت اور رحمت کے لئے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔

4: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں لو أدرک رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهنّ المساجد كما منعت نساء بني اسرائيل:

عورتوں کی یہ حالت و عادت جو انہوں نے اب بنا رکھی ہے اگر آپ ﷺ اپنے عہد مبارک میں دیکھتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح ان عورتوں کو بھی مسجدوں میں آنے سے منع کر دیتے۔

5: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں أن نبی الله ﷺ قال اذا استأذنكم بالليل فاذنوا لهن:

جب رات میں نماز با جماعت کے لئے تمہاری عورتیں تم سے اجازت چاہیں تو انہیں اجازت دے دو۔

شارح بخاری امام ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر فرماتے ہیں کہ عورت کو مسجد میں جانے کے لئے اپنے شوہر یا ولی سے اجازت لینا ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ شوہر یا ولی کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے کہ وہ اسے مسجد میں جانے کی اجازت دے دے اور اسے دینی و روحانی منفعت کے حاصل کرنے سے منع نہ کرے مگر عورت کی مسجد میں حاضری اس اصول پر مبنی ہے کہ اس کے لئے یا وہ خود کسی کے لئے فتنہ و فساد کا باعث نہ ہو جیسا کہ اغلب طور پر دور رسالت مآب ﷺ کا یہی حال تھا کہ اس وقت عورتوں کی مسجد میں حاضری کسی فتنے اور فساد کا باعث نہ تھی جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس بات کی طرف توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے کہ جب زمانے میں فتنہ و فساد پیدا ہو جائے تو عورتوں کے لئے مسجد میں جانا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس حدیث کا مصداق بوڑھی اور عمر رسیدہ عورتیں ہیں کہ جب ایسی عورتیں مسجد جانے کے لئے اجازت طلب کریں تو انہیں منع نہ کرو چنانچہ امام اشہب نے آپ سے روایت کی ہے کہ عمر رسیدہ عورت کو مسجد جانے کی اجازت ہے مگر آمد و رفت میں کثرت سے کام نہ لے اور جوان عورت بھی کبھی کبھار مسجد میں جا سکتی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں عورتوں کی نماز جمعہ اور فرضی نماز میں حاضری کو اچھا نہیں سمجھتا البتہ عمر رسیدہ عورت کو عشاء اور فجر کی نماز میں حاضر ہونے کی رخصت دیتا ہوں آپ کے تلمیذ ارشد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورت تمام فرضی نمازوں میں مسجد جا سکتی ہے البتہ جوان عورت کی مسجد میں حاضری کو میں مکروہ سمجھتا ہوں۔ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عورت کے لئے گھر سے بہتر کوئی جگہ نہیں خواہ وہ عمر رسیدہ ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ عورت زیادہ قریب اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گھر کے اندر ہی ہوتی ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان جھانکتا ہے۔

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ عورت کی اپنے گھر میں نماز اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی سب سے زیادہ محبوب ہے سوائے حج اور عمرہ کے البتہ وہ عورت جو انتہائی عمر رسیدہ ہو چکی ہو اسے مسجد میں آنے کی اجازت ہے (شرح صحیح بخاری از امام ابن بطال اندلسی رحمۃ اللہ علیہ)

اسلامی معاشرے کے قیام اور کتاب وسنت کے مطابق زندگی کے عملی اہتمام میں مرد وعورت دونوں کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے ہر مسلم مرد وعورت کے لئے صحیح اور نافع علم کا سیکھنا از حد ضروری ہے۔

دور نبوی ﷺ میں تحصیل دین اور تزکیہ نفس کے لئے جمعہ عیدین اور جنازہ کے موقعہ کے علاوہ نماز پنجگانہ کی ادائیگی کے لئے خواتین بھی مردوں کے ساتھ حاضر ہوا کرتی تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عدم فتنہ اور پر امن ماحول میں عورتوں کو مسجد میں حاضری اور دینی منفعت کے حصول کے لئے مردوں کے ساتھ علمی اور روحانی محفل میں شریک ہونے کی اجازت ہے مگر جب عورت کی زیب وزینت اور بے پردگی اس حد تک چلی جائے کہ وہ اس ماحول میں فتنہ وفساد کا باعث دکھائی دے تو ایسی صورت میں عورت کے لئے مسجد اور مردوں کے کسی بھی اجتماع میں شریک ہونا قطعاً جائز نہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

❁ ❁ ❁

میرا سرمایہ ہے محبوب خدا کی چاہت

حافظ لدھیانوی

میری سانسوں میں بسا رہتا ہے رنگِ مدحت
مجھ پہ ہوتا ہے شب و روز نزولِ رحمت

میرے دامن میں گُلِ تازہ کی ہوتی ہے مہک
میرا سرمایہ ہے محبوب خدا کی چاہت

ہیں مرے پیشِ نظر شہرِ نبی کے جلوے
آنکھ ہر لحظہ مری رہتی ہے محوِ حیرت

میرے افکار کی زینت ہے دیارِ طیبہ
میرے ہر سانس میں ہے شہرِ کرم کی نکہت

اتنی ہی لطف کی خیرات اسے ملتی ہے
جتنی سرکار سے ہوتی ہے کسی کی نسبت

درِ سرکار سے ملتی ہے کرم کی خیرات
اس کو مل جاتا ہے پھل جس کی ہو جیسی نیت

اب کسی شے کی نہیں کوئی بھی حاجت مجھ کو
مجھ کو کافی ہے حبیبِ دو جہاں کی اُلفت

جسم آداب کے سانچے میں ڈھلا رہتا ہے
حرمِ پاک کی ہر دل میں ہے ایسی عظمت

اُفقِ ذہن ہے تابندگیٔ نعت لئے
اک نئے رنگ میں خورشید کی دیکھی طلعت

میری ہر نعت میں آہنگِ غزل ہوتا ہے
میرے اشعار میں ہوتا ہے سرودِ مدحت

یہ کرم اس کا ہے یہ دین ہے اس کی ورنہ
مجھ کو مداحیٔ سرکار کی کب تھی قدرت

مجھ سا خوش بخت زمانے میں کوئی کیا ہو گا
مجھ کو توصیفِ پیمبر کی ملی ہے خلعت

میرا جو لفظ ہے کشکولِ گدا ہے حافظ
میرے اسلوبِ نگارش سے ہے پیدا ندرت

معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء

در تہنیت شادی اسراء

مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

بہار ہے شادیاں مبارک چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگ مگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اِک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

نظر میں دولہا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منہ پر آنچل تجلی ذاتِ بحت کے تھے

خوشی کے بادل امڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے

یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود سے بھرے تھے

دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلاف مشکیں جو اُڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

پہاڑیوں کا وہ حسن تزئین وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل لگے تھے

پرانا پُر داغ ملگجا تھا اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تارِ نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش باولے تھے

غبار بن کے نثار جائیں کہاں اب اس رہگزر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اترن وہ پھول گلزار نور کے تھے

خبر یہ تحویل مہر کی تھی کہ رت سہانی گھڑی پھرے گی
وہاں کی پوشاک زیب تن کی یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

تجلی حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

ابھی نہ آئے تھے پشتِ زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے

عجب نہ تھا رخش کا چمکنا غزالِ دم خوردہ سا بھڑکنا
شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے

ہجومِ اُمید ہے گھٹاؤ مرادیں دے کر انہیں ہٹاؤ
ادب کی باگیں لئے بڑھاؤ ملائکہ میں یہ غلغلے تھے

اٹھی جو گردِ رہِ منور وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل امنڈ کے جنگل ابل رہے تھے

ستم کیا کیسی مٹ گئی تھی قمر وہ خاک ان کے رہ گذر کی
اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھتا مٹے تھے

براق کے نقشِ سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، مہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا
نجوم و افلاک جام و مینا اُجالتے تھے کھنگالتے تھے

نقاب اُلٹے وہ مہر انور جلالِ رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے

یہ جوششِ نور کا اثر تھا کہ آب گوہر کمر کمر تھا
صفائے راہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ دھل گیا نامِ ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

وہ ظلِ رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت اودی اطلس یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گذر چکے تھے

جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولہا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی اُمید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے

روش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اک بھبوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا دہر دہر پیڑ جل رہے تھے

جلو میں جو مرغ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے

قوی تھے مرغانِ وہم کے پر اڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خون اندیشہ تھوکتے تھے

سنا یہ اتنے میں عرش حق نے کہا مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاج شرف ترے تھے

یہ سن کے بیخود پکار اٹھا نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر ان کے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

ضیائیں کچھ عرش پہ یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضور خورشید کیا چمکتے چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے

یہی سماں تھا کہ پیک رحمت خبر یہ لایا کہ چلئے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہے جو کلیم پر بند راستے تھے

بڑھ اے محمد! قریں ہو احمد، قریب آ سرور ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

سراغ این و متٰی کہاں تھا نشان کیف و الٰی کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے!
جو قرب انہیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے

پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃً فعل تھے ادھر کا
تنزلوں میں ترقی افزاد نا تدلّی کے سلسلے تھے

ہوا یہ آخر کہ ایک بجرا تموج بحر ہو میں ابھرا
دنا کی گودی میں ان کو لے کر فنا کے لنگر اٹھا دیے تھے

کسے ملے گھاٹ کا کنارا کدھر سے گزرا کہاں اتارا
بھرا جو مثل نظر طرارا وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

اٹھے جو قصر دنا کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھی کہ پانی پائیں!
بھنور کو یہ ضعف تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

ادھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں ادھر سے انعامِ خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پُرنور میں پڑے تھے

زباں کو انتظار گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے

وہ بُرجِ بطحا کا ماہ پارا بہشت کی سیر کو سُدھارا
چمک پہ تھا خلد کا ستارا کہ اس قمر کے قدم گئے تھے

سرورِ مقدم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہ عرب کی
جناں کے گلشن تھے جھاڑ فرشی جو پھول تھے سب کنول بنے تھے

طرب کی نازش کے ہاں لچکئے ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکیئے
یہ جوشِ ضدین تھا کہ پودے کشاکشِ ارّہ کے تلے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے

نبی رحمت شفیع اُمت رضاؔ پہ للہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

✿✿✿✿✿

سیرت نگینۂ رسول ﷺ

نام کتاب: سیرت نگینۂ رسول
موضوع: سوانح حیات
مصنف: محمد محسن منور یوسفی
ضخامت: ۲۹۳ صفحات
قیمت: ۳۵۰ روپے

محمد محسن منور یوسفی کی کتاب "سیرت نگینہ رسول" پر مدیر یلیل راو نے دیباچہ لکھا۔ نقدونظر کے مینرا ن میں اس کا پڑھ لیناہی کافی ہوگا آپ لکھتے ہیں:

سیّد علی ہجویریؒ اپنی معروف کتاب کشف المحجوب میں رقم طراز ہوتے ہیں:- قلب میں صفا کا حصول افعال و اعمال سے ممکن نہیں۔ یہ وہ دولت ہے جو کسی نام یا کسی لقب سے حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ الصفا صفۃ الا حباب و ہم شموس بلا سحاب صفا محبوبانِ الٰہی کی صفت ہے جو آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں ایسا آفتاب جس پر ابر کا حجاب نہیں ہوتا۔

رسول اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا يُؤْمِنْ عَلٰى دُعَائِهِمْ كُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِين

جس نے اہل تصوف کی آواز سنی اور ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اللہ کے ہاں غافلوں میں شمار ہوا۔

کاروانِ انسانیت جب سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوا ہے اس ضرورت نے تڑپائے رکھا کہ اس کے مادی مسائل حل ہوں اور اسے روحانی دنیا کی پیچیدگیاں دور کرنے والا کوئی رہبر میسر آئے۔ شاہوں بادشاہوں کی شوکت تاب زندگی نے انسانی مسائل کو کبھی بھی خلوص سے حل نہیں کیا بلکہ ان کی خون آشام تلواروں سے ہمیشہ انسانیت کا خوب ٹپکتا ہوا دکھائی دیا۔ سلاطین زمانہ کی فاسقانہ روش اور مفسدانہ طرزِ عمل نے بشری قافلوں کو اجاڑا۔ فلاسفہ اور حکماء نے سوچوں میں راحت سمونے کی بجائے افکار کو بے جا ریاضتوں کی آتشِ راحت سوز کی نذر کیا۔ ہر دور کا انسان ایسے انسان کی تلاش میں رہا جو بے ضرر ہو، باعمل ہو، طہارت اس کی خو ہو، اخلاقِ عالیہ کا وہ معلم ہو، اس کا دل علم سے لبریز ہو، اس کا کردار پاکیزہ ہو، اس کی آنکھوں میں شرارت نہ ہو بلکہ اس کے دل کی دھڑکنوں نے کسی مردِ حق آگاہ کے جمال کا طواف کیا ہو۔ اس کی راتیں نورِ عبادت سے جگمگا رہی ہوں اس کے دن "اعلائے کلمۃ اللہ" کے جلوؤں میں ڈوبے ہوں "وہ نسبتِ عشق" کی آگ میں جل کر راکھ بن چکا ہو، اس کا نفس حضور اکرم ﷺ کی کچہری میں کلمۂ تصدیق کی سند حاصل کر چکا ہو۔ اُسے درویش کہہ لو، اُس کا نام فقیر رکھ لو، اس کی شناخت قلندر جان لو۔ اس ڈھب کے لوگ بظاہر محدود زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ان کی "محدودیت" ایک آئینہ بن جاتی ہے جس میں "حقائق اشیا" کی تصویریں نمایاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ان عظیم ہستیوں کے دل توہمات سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ خلوت میں ہوں تو قربِ ربانی کی برہان ہوتے ہیں، جلوت میں ہوں تو شانِ الٰہی کی زبان بن جاتے ہیں۔ یہ کیدِ نفس سے ہوشیار رہتے ہیں اور اپنے حال پر قال کو غالب نہیں آنے دیتے۔ ہر زمانے کا ہر وہ شخص جو عظمت اور رفعت کی گلی میں قدم زن ہوتا ہوا ہو وہ ان درویشوں کا ریزہ چین ضرور بنا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اسلام کی زندہ تعلیمات کی حفاظت ہمیشہ انہی رجالِ عظیم نے کی۔ بلاشبہ تاریخ انسانیت عروج و زوال کا شکار ہوتی رہی لیکن اسلام کا چمن ان قدسی لوگوں کے وجود سے مہکتا رہا جنہیں اللہ نے وہ صداقت عطا فرمائی کہ ان کے جلوۂ عمل سے دنیا کے صحرا چمنستانوں کا رنگ اختیار کرتے رہے۔

برصغیر پاک و ہند کی خاک نے رسول اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اعجاز نگاہی کا فیض انتہا طور پر پایا۔ اس کے کوہ و دمن مردم خیز ثابت ہوئے یہاں محدثین بیٹھے، مورخین پیدا ہوئے، علماء کی خارا شگافیاں تاریخ کا حصہ بنیں۔ شعرا نے بہاریں بانٹیں، یہاں کے درویشوں، فقیروں اور خدا مست انسانوں نے اپنی مسیحا نفسی سے کروڑوں لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر ہم رکابِ نور کیا۔

اس خاک کو زینت بخشنے والا غریب نواز، اس دھرتی کو فیض یاب کرنے والا داتا علی، اس خاک دان کو رشک سدرہ بنانے والے عبدالحق محدث دہلوی، مادرِ دھرتی کی داستانِ عزیمت کو رونق بخشنے والا فضل حق خیر آبادی ۔۔۔۔۔۔ اس دیس کے ریگ زاروں میں جلوۂ دعوت بکھیرنے والے سیّد جلال مکی ۔۔۔۔۔۔ عبداللہ شاہ غازی ۔۔۔۔۔۔ بہاؤالحق زکریا ملتانی ۔۔۔۔۔۔ بزم نقشبنداں کے آفتاب پیر شرقپور ۔۔۔۔۔۔ جماعت علی شاہ کس کس کے تذکارِ رحمت بکھیری جائے اور کس کس نام کو چھوڑنے کی خطا کلکِ قلم سے سرزد ہو۔

"یوسف علی نگینہ" ایک نام ہے ۔۔۔۔۔ ایک شخصیت، ایک آواز ۔۔۔۔۔ اور مخصوص طرزِ زندگی رکھنے والا ایک صوفی منش درویش جس

نے انسانوں میں زندگی بسر کی لیکن عشق کو ہمیشہ آسمانی رکھا ۔۔۔۔۔ دامن دل دنیا کی آلائشوں سے میلا نہ ہونے دیا۔اس دردمند انسان کا کہنا یہ تھا کہ اسے اللہ نے رحمت عالم ﷺ کی محبت اور اطاعت کے لیے پیدا کیا۔ یوسف علی نگینہ کی خوبصورت زندگی کا حسین مرقع ان کے عظیم اور محترم مرید محمد محسن منور یوسفی نے ''سیرت نگینہ رسول'' کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یوسف علی نگینہ ان کے خیال میں علم لدنی رکھتے تھے۔ ان کا ''درد اور عشق'' جب دل میں مدوجزر پیدا کرتا واردات قلبیہ شعروسخن کے قالب میں ڈھل جاتیں اور یوں قال حال کا نقیب بن کر دعوت کے مراحل میں داخل ہو جاتا اور پھر ہزاروں لوگ ان کے دردِ دل سے فیض حاصل کرتے۔ یوسف علی نگینہ کی زندگی غم انسانیت سے عبارت تھی۔ محسن منور لکھتے ہیں کہ بابا دوسروں کے غموں اور دکھوں کو اپنے سر لے لیتے ۔۔۔۔۔ بابا کی یہ سوچیں زیر بحث لائی جاسکتی ہیں لیکن ان کے دردِ انسانیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

بابا جی نگینہ سادات کا انتہائی ادب کرتے اگر کوئی شئے تقسیم کرنی ہوتی تو سادات کا دوگنا حصہ لگاتے۔ ایسے بھی ہوتا کہ سادات کو چارپائی پر بٹھا دیتے اور خود نیچے بیٹھ جاتے ۔۔۔۔۔ بابا کی سوانح محسن منور یوسفی نے بڑی دل سوزی اور محنت سے رقم کی ہے اور مرشد کی محبت نے انہیں اپنے مربی کی اداؤں میں رچا بسا دیا ہے ''بزم نقشبنداں'' میں تربیت کے لیے جو ریاضتیں اور مراحل سالک کے لیے ضروری ہوتے ہیں اس خانقاہ میں بدرجہ اتم ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

علم کی آبیاری ۔۔۔ ادب کی پاسداری

عمل صالح کی لگن ۔۔۔۔ ذکر اللہ کی کثرت

شریعت مطہرہ کی پابندی ۔۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر

عشق و محبت کا احیا ۔۔۔ اور

رسوم طریقت سے وفا

ایک جلوہ ہے، ایک رنگ ہے اور ایک بہار

محمد محسن منور یوسفی اپنے مرشد کی زندگی کے اسرار سربستہ عام کرنے کے لیے جو رشحات قلم لائے ہیں وہ دیر تک فیض بار ہوتے رہیں گے دعا ہے اللہ تعالیٰ مربی باکمال اور مسترشد باذن دونوں کو نفحات انس سے نوازتا رہے۔

آمین بجاہ سید المرسلین و علیٰ الہ الطاہرین الطیبین و اصحابہ اجمعین

✿ ✿ ✿

سلمان رشدی کی "شیطانی آیات"

رشدی کی شیطانی کتاب پر ماضی میں عالمگیر احتجاج ہوا۔ مسلمان فقہاء اور علماء کے مجاہدانہ فتاویٰ سامنے آئے۔ رشدی کے سر کی قیمت مقرر ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں رشدی مرتد اور مردود ہے اس نے رسالت مآب ﷺ کے حضور جو ہرزہ سرائیاں کیں، وہ محض اسلام نہیں تمام مذاہب کی توہین ہے۔ مسلمانوں کے دلوں کو جو تکلیف پہنچی قیامت تک اس کا ازالہ ممکن نہیں دنیا کا کوئی صحیح الدماغ آدمی اس کو معاف نہیں کر سکتا۔ برطانوی پارلیمنٹ کو نجانے کیا سوجھی رشدی کو سر کا خطاب دے دیا۔ یہ اصل میں مسلمانوں کے خلاف میدانِ مذہب میں اعلانِ جنگ ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ کی اس ابلہانہ حرکت پر ہر مسلمان چراغ پا ہے۔ دلیل راہ ماضی میں اس حوالے سے کوثر نیازی کے قلم سے لکھا گیا ایک مضمون اپنے قارئین کی نذر کر رہا ہے۔ اُمید ہے مسئلہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔۔۔۔۔

مدیر دلیل راہ

کوثر نیازی

ذات رسالت مآب ﷺ اسلامی اجتماعیت کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ توحید پر ایمان رکھنے والے دنیا میں بہتیرے ہیں، یہودی اپنے عقیدے کے اعتبار سے ٹھیٹھ موحد ہیں۔ ان کے ہاں شرک کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ سکھ خدائے واحد پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ہندو اور عیسائی۔ کاتب فکر بھی ایک خدا کے قائل ہیں مگر تنہا عقیدۂ توحید پر ایمان رکھنے کی وجہ سے انہیں کوئی بھی ملت اسلامیہ کا فرد نہیں سمجھتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کا رکن بننے کیلئے ذات رسالت ﷺ پر ایمان لانا شرط لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے تو خدا پر ایمان لانا اس کے کچھ کام نہیں آسکتا۔

بہت سادہ سا ہے اپنا اصول دوستی کوثر
جو ان سے بے تعلق ہے ہمارا ہو نہیں سکتا

اسلام میں عقیدۂ رسالت کی یہی وہ مرکزی حیثیت ہے جس کے تحفظ کے لئے قوانین اسلام نے بے حد احتیاط اور انتہائی سختی سے کام لیا ہے۔ اس بات پر مسلمانوں کے تمام گروہوں اور تمام علماء و فقہاء کا اتفاق ہے کہ سرکار رسالت مآب ﷺ کی توہین کرنے والا ہر بدبخت انسان واجب القتل ہے۔ اختلاف صرف اس مسئلے میں مذکور ہے کہ آیا توہین کرنے والے کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں۔ بعض آئمہ اور فقہاء کہتے ہیں کہ توہین رسول ﷺ کرنے والے کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا لیکن بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر اس دوران وہ توبہ کرلے اور بعد کی زندگی میں اپنے عمل سے اس توبہ کی صداقت کو ثابت کردے تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی۔ البتہ اس بات کا توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کرنیوالے شخص کے بارے میں خدشہ ہے کہ توبہ کے بعد بھی اس کی عاقبت بخیر نہیں ہوگی اور اس کا خاتمہ برا ہوگا۔ قاضی محمد زاہد حسینی نے اپنی تصنیف "با محمد باوقار" میں امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

"اگرچہ ایسے آدمی کی توبہ قبول کی جائے گی اور وہ قتل ہونے سے بچ جائے گا اور سچی توبہ کی برکت سے قیامت کے عذاب سے بچنے کی اُمید بھی ہو سکتی ہے مگر پھر بھی یہ اس قدر عظیم جرم ہے کہ ایسے آدمی کا خاتمہ برا ہو سکتا ہے بلکہ ہمیں ایسی اطلاع بھی ملی ہے کہ کچھ ایسے لوگوں کا خاتمہ اچھا نہیں ہوا"

اسلامی قانون کے تحت توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کرنے والے کو قتل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ مسلمان ہو، مسلم ہو یا غیر مسلم جو بھی یہ جسارت کرے گا موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ ابن تیمیہ کی عقیدۂ توحید میں شدت کسی بھی دینی طالب علم سے پوشیدہ نہیں مگر انہوں نے اس مسئلہ کی وضاحت اور تائید کے لئے باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول" اس کی وجہ تالیف یہ ہے کہ ان کے زمانے میں ایک عیسائی نے آنحضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی، بعد میں وہ مسلمان ہو گیا مگر اس کے باوجود اس کے عاشق رسول ﷺ بھتیجے نے اسے قتل کر دیا چونکہ حکومت کی طرف سے اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد اسے امان دی جا چکی تھی اس لئے ابن تیمیہ کو اس مسئلے کی وضاحت کے لئے یہ کتاب لکھنی پڑی، جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ایسے بدبخت انسان کی توبہ بھی قبول نہیں ہے اس لئے اس کا قتل عین شریعت کے مطابق تھا۔

آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے تو خدا پر ایمان لانا اس کے کچھ کام نہیں آ سکتا

اسلامی قوانین اور اسلامی معاشرے کی یہی وہ شدت احساس ہے جس کے تحت مختلف ادوار میں ہر بد بخت شاتم رسول اسی انجام سے دوچار ہوا، ماضی قریب میں راج پال نے "رنگیلا رسول" لکھ کر اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا تو وہ لاہور کے غازی علم دین شہید رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا۔ یہ نوجوان عرف عام میں کسی مذہبی پس منظر کا حامل نہ تھا مگر جیسا کہ عرض کیا گیا ذات رسول ﷺ تو پورے مسلم معاشرے کا سنگ بنیاد ہے اس کا تحفظ صرف اہل مدرسہ، اہل خانقاہ ہی نہیں کرتے، عام گنہگار مسلمان بھی اس سلسلے میں شمشیر برہنہ کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ دیکھا جائے تو وہ لوگ جنہیں اصطلاحِ فقہ میں فاسق سمجھا جاتا ہے اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی نزاکت احساس کے حامل ہیں۔ آج بھی وہ رسول مقبول ﷺ کو اپنے ماں باپ اور اپنی آل اولاد سے بڑھ کر چاہتے ہیں وہ ماں باپ کی گالی برداشت کر سکتے ہیں مگر شان رسول ﷺ میں ذرا سی گستاخی بھی انہیں گوارا نہیں، وہ اس کے لئے نقد جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے سے نہیں ہچکچاتے بلکہ شاید شاعر نے ٹھیک ہی کہا ہے

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

تاریخ میں گستاخان رسول ﷺ مسیلمہ کذاب سے لے کر راج پال تک۔۔۔۔۔۔ جس عبرتناک انجام سے دوچار ہوتے رہے ہیں اسے دیکھنے کے بعد دشمنان اسلام نے بھی اپنا طریقہ واردات بدل لیا ہے۔ مستشرقین تو اس معاملے میں اتنے محتاط ہیں کہ انہوں نے اس مقصد کے لئے اب باقاعدہ (نام نہاد) علمی انداز اختیار کر لیا ہے وہ ہمارے ہی ذخیرہ کتب سے ضعیف روایات کا سہارا لے کر مغالطہ آفرینی کی کوشش کرتے ہیں۔ (خدا کا شکر ہے کہ ملت اسلامیہ کے اہل علم ان کی ان "علمی" جہالتوں کا تعاقب کرنے سے غافل نہیں ہیں، سر سید احمد خان سے لے کر مودودی تک سبھی نے یہ فرض انجام دیا ہے) گستاخیوں کا کاروبار کرنے کے لئے انہوں نے مسلمان گھرانوں ہی میں ایسے ناخلف اور غدار پیدا کر لئے ہیں جو اپنی ترقی یافتگی کے زعم میں حضور رسالت ﷺ میں انتہائی دریدہ دہنی سے بھی باز نہیں آتے۔ اس گندہ ذہنی کی ایک تازہ ترین اور شاید اب تک کے گستاخانہ لٹریچر میں ذلیل ترین مثال سلمان رشدی کی کتاب THE SATANIC VERSES (شیطانی آیات) ہے جو ابھی حال ہی میں لندن سے PENGUIN نے شائع کی ہے اور جس پر امریکہ اور یورپ کے مسلمان بالخصوص شعلہ جوالہ بنے ہوئے ہیں۔

توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم جو بھی یہ جسارت کرے گا موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا

سلمان رشدی بمبئی کے ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ آزادی کے بعد اس کے ماں باپ کراچی منتقل ہو گئے اس وقت بھی پاکستان میں اس کے بعض با اثر رشتہ دار موجود ہیں جن کا ذکر ان نے اپنے ایک ناول SHAME میں کیا ہے۔ یہ خود برطانیہ آباد ہو گیا یہیں ایک انگریز لڑکی سے اس نے شادی کی اور کئی سال سے وہ مغربی حلقوں میں ایک مصنف اور ناول نگار کی حیثیت سے خاصا جانا پہچانا ہے۔ زیر نظر شرمناک اور افسوسناک کتاب میں (جس کے کچھ اقتباسات ہم لندن کے مشہور اسلامی جریدہ IMPACT کے حوالے سے اسی کالم کے ساتھ شائع کر رہے ہیں انگریزی کے یہ اقتباسات دشنام آمیز حصوں پر کالک پھیر کر اس کالم میں شائع کر دیئے گئے تھے مگر اب اس کالم کے کتابی صورت میں چھپنے پر انہیں حذف کیا جا رہا ہے)۔

رسول خدا ﷺ، ازواج مطہرات، وحی اور قرآن کے ضمن میں اسلامی عقائد پر ایسی بدبودار کیچڑ اچھالی ہے کہ خدا کی پناہ۔ اس کتاب کے چھپنے سے پہلے ناشر نے اپنے بھارتی ایڈیٹوریل ایڈوائزر اور مشہور صحافی سردار خوشونت سنگھ سے اس کے مسودہ کے بارے میں رائے لی تو سردار صاحب نے لکھا کہ ناول میں آنحضور ﷺ کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا گیا ہے اس سے قارئین میں زبردست ردعمل ہو گا مگر PENGUIN جو صیہونی حلقوں کی طرف سے قرآن مجید کا ایک غلط ترجمہ شائع کر کے پہلے ہی اپنی اسلام دشمنی کا مظاہرہ کر چکا ہے۔ اپنی ضد پر اڑا رہا اور اس نے یہ کتاب شائع کر دی۔ اس کے خلاف سب سے پہلا ردعمل بھارت کی حکومت نے دکھایا اور کتاب کی فروخت وغیرہ ہندوستان میں ممنوع قرار دے دی گئی۔ اس پر سلمان رشدی نے راجیو گاندھی کو ایک کھلا خط بھی لکھا مگر مسٹر راجیو گاندھی نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ بعد میں یہ پاکستان میں بھی BAN کر دی گئی اور اسلامک سیکرٹریٹ (او آئی سی) کی اپیل پر خلیجی ریاستوں اور ملائیشیا وغیرہ نے یہی اقدام کیا۔ حد یہ ہے کہ جنوبی افریقہ میں بھی کتاب کے داخلے کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ سلمان رشدی جنوبی افریقہ جانے والا تھا مگر وہاں کے مسلمانوں کا غیرت مندانہ ردعمل دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ منسوخ کر دیا۔ کینیڈا کے ٹیلی ویژن پر اس کا انٹرویو دکھایا گیا تو مسلمانان کینیڈا نے

ٹیلی وژن پر مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کی پاداش میں باقاعدہ مقدمہ دائر کردیا۔ اب ناشر یہ کتاب امریکہ سے بھی شائع کر رہا ہے اور وہاں احتجاجی تحریک کا عالم یہ ہے کہ ہرمنٹ پر ناشر کو اس کے خلاف پچاس کالیں وصول ہو رہی ہیں۔ اب تک وصول ہونے والے احتجاجی مراسلوں کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ گئی ہے۔ برطانیہ کے مسلمان اس سلسلے میں بے حد منظم کام کر رہے ہیں یہ انہی کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ برطانیہ بھر میں تمام بک سٹالوں سے کتاب کے نسخے ہٹالئے گئے ہیں۔ مسلمانان برطانیہ کا مطالبہ یہ ہے کہ:

1: PENGUIN مسلمانان عالم سے اس خوفناک دل آزادی پر معافی مانگے۔

2: وہ اب تک فروخت ہونے والی کتابوں کی مالیت کے برابر رقم بطور تاوان ادا کرے جو برطانیہ کے مسلمان خیراتی مقاصد کے لئے خرچ کریں گے۔

3: امریکہ سے اس کتاب کی اشاعت کا منصوبہ فوری طور پر روک دیا جائے گا۔

4: اس کتاب کے تمام نسخے تلف کردیئے جائیں۔

مغرب کے رہنے والے مسلمان عالم اسلام کی حکومتوں سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ جب تک ایسا نہیں ہوتا وہ:

1۔ PENGUIN کی تمام مطبوعات کا داخلہ اپنے ملکوں میں بند کردیں اور اس کے کاروبار پر پابندی لگادیں۔

2۔ اگر اس ادارے کی کوئی شائع کردہ کتاب تعلیمی مقاصد کے لئے اہم ہو تو کاپی رائٹ کے قوانین میں استثناء پیدا کر کے اسے مقامی طور پر چھاپنے کی اجازت ناشرین کو دے دی جائے۔

یورپ، کینیڈا اور امریکہ کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اگر برطانوی ٹیلی وژن سے ایک عرب شہزادی کی موت کی فلم دکھانے پر سعودی عرب کی حکومت برطانیہ سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع کرسکتی ہے تو سرکار رسالت مآب ﷺ کی عزت و حرمت کے تحفظ کے لئے تو مسلمان حکومت کو اس سے بھی زیادہ غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ برطانیہ کے جمہوری اور ترقی یافتہ معاشرے میں اس طرح کی مطبوعات پر لاگو ہونے والا قانون صرف "عیسائیت" کے تحفظ کے لئے ہے وہ کسی دوسرے مذہب کی بے حرمتی پر حرکت میں نہیں آتا ورنہ اب تک وہاں کے مسلمان اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کر چکے ہوتے۔ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ سرکاری اور سفارتی سطح پر پیغمبر دو عالم ﷺ کے حضور اس گستاخانہ جسارت کا نوٹس لے ورنہ جہاں تک پاکستانی عوام کا تعلق ہے ان کے جذبات تو اس سے ظاہر ہیں کہ ابھی حال ہی میں جب لاہور کے ایک اجتماع میں میں نے اس کتاب کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کیا تو ایک مشہور فلم ساز جناب محمد سرور بھٹی نے بھرے اجتماع میں کھڑے ہو کر یہ مجاہدانہ اعلان کیا کہ وہ اس بدبخت کو خود کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ اس معاملے میں صرف بھٹی صاحب ہی تنہا نہیں ہیں، سینکڑوں جانباز بدبخت شاتم رسول کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں اور وہ لندن میں ہر رات ڈر کے مارے اپنا ٹھکانہ بدلتا رہتا ہے۔ میں نے کہا کہ اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے کہ مصنف دنیا و آخرت دونوں جگہ عبرتناک انجام سے دوچار ہوگا۔

بدقسمتی سے پاکستانی پریس میں اب تک اس کتاب اور اس کتاب کے خلاف چلنے والی احتجاجی تحریک پر کچھ نہیں لکھا گیا۔ یہ سارا کریڈٹ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کو پہنچتا ہے کہ وہ نامساعد حالات کے باوجود عظمت مصطفیٰ کے لئے اس بے جگری سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بھی اس سلسلے میں بھرپور حصہ لیں اور آغاز کار کے طور پر تمام قارئین ناشر کو تاروں اور خطوط کے ذریعے اس کتاب کے خلاف اپنے جذبات سے آگاہ کریں جو احباب انگریزی میں نہ لکھ سکتے ہوں وہ اردو ہی میں لکھیں اور ان کی ایک ایک کاپی ہمیں بھی روانہ کریں۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دین تمام تر مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے اور مولانا ظفر علی خان کا یہ شعر ہر مسلمان کی زندگی کا اصل الاصول ہونا چاہئے کہ

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

✿ ✿ ✿

شیطان ہے رشدی شیطان رہے گا

محمود خالد (جرمنی)

شیطان ہے رشدی شیطان رہے گا
دنیا میں بھی لعنت پہ لعنت پڑے گی
آخرت میں بھی گرفتارِ عذاب رہے گا
شیطان کی محفل میں مہمان بنے گا

جہاں پر بھی رہے گا گرفتار رہے گا
شیطان تو ہے وہ شیطانوں کا سردار بنے گا

یورپ میں چھپے امریکہ میں رہے
جہاں پر بھی رہے گا پریشان رہے گا

جس ہاتھ سے لکھتا ہے وہ اور نہ قلم دان رہے گا
سر ہو گا قلم اس کا تو یہ خوب رہے گا

سونے کا چاہے اسے تاج پہنا دو
ہے تو گدھا وہ نہ انسان بنے گا

آؤ گے باہر جب بھی شیطان کے نانا
خالد کا لکھا اک پیغام بھی سن لو
سامنے کھڑا تیرے اک طوفان رہے گا
شیطان ہے رشدی شیطان رہے گا

الو کی طرح پنجرے میں یہ بے ایمان رہے گا
کھائیں گی اسے کاغا جب قبرستان رہے گا

یہودی کا یہ حملہ بھی ناکام رہے گا
اسلام تو زندہ ہے پائندہ ہی رہے گا

اوروں کے لئے عبرت کا نشان رہے گا
شیطان ہے رشدی شیطان رہے گا

شیخین کے مرتبہ میں کمی کی سزا

زیرِ نظر مضمون علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب کی کتاب ''پکارو یارسول اللہ'' سے ماخوذ ہے۔ علامہ شرف قادری صاحب نے علامہ محمد بن موسیٰ المزالی المراکشی کی کتاب مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الیقظۃ والمنام کا انتہائی خوبصورت ترجمہ کیا ہے جسے علامہ عمر حیات قادری کی سرپرستی میں صفہ فاؤنڈیشن برطانیہ نے چھاپا ہے۔ ''پکارو یارسول اللہ'' جماعت اہلسنت پاکستان کے ترانہ کا پہلا زمزمہ ہے۔ جماعت اہل سنت کا ہر رکن مؤلف، مترجم اور ناشرین کے لئے دعا گو ہے اللہ انہیں برکتیں دے۔

ہمیں خبر دی یوسف بن محمود صوفی نے انہیں خبر دی احمد بن محمد صوفی نے انہیں خبر دی حافظ ابو علی احمد بن محمد نے انہیں خبر دی یوسف بن محمد صوفی نے، انہیں خبر دی علی بن بشران نے، انہیں خبر دی حسین بن صفوان نے، انہیں خبر دی عبداللہ بن محمد بن عبید نے، انہیں خبر دی احمد بن ابی احمد نے، انہوں نے روایت کی ابوبکر بن محمد بن مغیرہ سے انہیں بیان کیا علی بن محمد بن سمنان نے کہ میں نے رضوان السمنان کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ ایک شخص میرے گھر اور بازار کا پڑوسی تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

میرے اور اس کے درمیان اس سلسلے میں بہت بات چیت ہوئی تھی ایک دن اس شخص نے میرے سامنے شیخین کریمین کو گالیاں دیں۔ میرے اور اس کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی یہاں تک کہ ہم گتھم گتھا ہوگئے۔ میں جب گھر آیا تو پریشان اور غمگین تھا اور اپنے آپ کو کوس رہا تھا، میں نے اسی صدمے کی وجہ سے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا اور سو گیا، اسی رات خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ فلاں شخص میرے گھر اور بازار کا پڑوسی ہے وہ آپ کے صحابہ کرام کو گالیاں دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے کن صحابہ کو گالیاں دیتا ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ چھری لو اور اس کے ساتھ اس کو ذبح کرو۔

رضوان السمنان کا بیان ہے کہ میں نے وہ چھری لی اس شخص کو لٹایا اور ذبح کر دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کا خون میرے ہاتھ کو بھی لگ گیا ہے میں نے چھری رکھ دی اور اپنا ہاتھ زمین پر رگڑا۔

میں بیدار ہوا تو اس کے گھر کی طرف سے چیخ و پکار کی آواز آ رہی تھی۔

میں نے کہا! دیکھو یہ چیخ و پکار کیسی ہے؟

مجھے بتایا گیا کہ فلاں شخص اچانک مر گیا ہے جب صبح ہوئی تو میں نے اسے جا کر دیکھا تو ذبح کی جگہ ایک لکیر دکھائی دی (یہ وہی جگہ تھی جہاں رضوان نے صاف کرنے کے لئے ہاتھ زمین پر رگڑا تھا)

ہمیں خبر دی ہمارے شیخ مفتی المسلمین، امام ابوالحسن علی بن ابوالفضل ھبۃ اللہ شافعی نے، انہیں خبر دی امام ابو طاہر احمد بن محمد الحافظ نے انہوں نے کہا کہ میں نے ابوالنصر احمد بن محمد بن علوان تاجر آمدی کو شمیر میں کہتے ہوئے سنا کہ میں نے یحییٰ بن حطاف کو موصل میں بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے دمشق کے ایک بزرگ کو بیان کرتے ہوئے سنا جو حجاز مقدس میں دو سال مقیم رہے تھے ان کا بیان ہے کہ میں ایک قحط والے سال میں مدینہ منورہ مقیم رہا ایک دن میں آٹا خرید نے بازار گیا دکاندار مجھ سے رقم لے لی اور کہنے لگا پہلے شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما) پر لعنت بھیجو تب تمہیں آٹا دوں گا۔ میں اس کے لئے تیار نہیں ہوا، اس نے بار بار اپنا مطالبہ دہرایا اور ساتھ ساتھ ہنستا جاتا تھا، یہاں تک کہ میں نے تنگ آ کر کہا جو ان پر لعنت کرے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔

پیشانی پر لکھا تھا یہ وہ بندہ ہے جس نے حد سے تجاوز کیا

اس نے میری آنکھ پر زناٹے دار تھپڑ مار دیا، میں پلٹ کر مسجد نبوی شریف کی طرف چلا آیا میری آنکھ سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ میرا ایک عابد زاہد دوست میافارقین کا رہنے والا کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم تھا اس نے میرا حال پوچھا تو میں نے اسے واقعہ بیان کر دیا وہ مجھے ساتھ لے کر روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "یارسول اللہ ﷺ! آپ پر سلام ہو ہم بحیثیت مظلوم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ظالم سے ہمارا بدلہ لیں اور بہت گریہ زاری کی۔ اس کے بعد ہم واپس آگئے جب ہر سو رات کا اندھیرا چھا گیا تو میں سو گیا اور صبح ہوئی میری آنکھ اتنی صحیح تھی گویا اسے کوئی چوٹ لگی ہی نہ تھی پھر ایک گھڑی نہیں گذری تھی کہ ایک برقع پوش شخص میرے بارے میں دریافت کرتا ہوا آیا کسی نے میری طرف اشارہ کیا تو میرے پاس آکر کہنے لگا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے معاف کر دو میں وہی شخص ہوں جس نے کل تمہیں تھپڑ مارا تھا، میں نے اسے کہا اس طرح معاف نہیں کروں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ واقعہ کیا پیش آیا ہے؟

اس نے کہا میں رات کو سویا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی حضور ﷺ تشریف لا رہے تھے آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم تھے میں نے آگے بڑھ کر عرض کی السلام علیکم! حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے سلامتی عطا نہ فرمائے اور نہ ہی تجھ سے راضی ہو، کیا میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ تو شیخین پر لعنت بھیج اور انہوں نے دو انگلیاں میری آنکھوں میں ماریں اور دونوں کو ضائع کر دیا اور اس کے بعد میں بیدار ہو گیا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرا جرم معاف کریں۔

میں نے جب اس کی بات سنی تو کہا جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

راوی ابونصر کہتے ہیں کہ دمشق کے وہ ہمسائے ہمارے پاس موصل آئے تو یحییٰ بن عطاف نے مجھے ان کی نشاندہی کی، میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے یہی واقعہ اسی طرح بیان کیا جس طرح اس سے پہلے بیان ہوا وہ دین دار اور نیک بزرگ تھے۔

اس بات کی پہلی سند میں تیسرے راوی ہیں بوعلی احمد بن محمد حافظ انہوں نے کہا کہ مجھے ایک دفعہ ابونمیرہ نے بیان کیا نیز ابو عبداللہ حسین بن طالب نے بیان کیا اسی طرح بغداد میں بعض رئیس فضلاء نے بیان کیا۔ یہ ابوعلی محمد بن سعید بن ابراہیم بن نبہان کے نام سے معروف تھے اور ان کو ابوعلی بن شاذان سے سماع تھا، راویوں کے الفاظ مختلف تھے لیکن مطلب ایک تھا۔

ان سب حضرات نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا، امیر مقلد نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہنے لگا تم حج کے لئے جانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں کہنے لگا جب تم حج کر کے مدینہ منورہ جاؤ تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور یہ بھی عرض کرنا کہ اگر آپ کے یہ دو ساتھی آپ کے ساتھ نہ ہوتے تو میں بھی آپ کی زیارت کرتا۔

جو شیخین پر لعنت کرے
اللہ اس پر لعنت کرے

اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے حج کیا۔ پھر مدینہ منورہ حاضر ہوا لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے پیش نظر وہ پیغام پیش نہ کر سکا۔ رات کو سویا تو نبی اکرم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فلاں! تم نے مقلد کا پیغام کیوں نہیں پیش کیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کے صاحبین کے بارے میں وہ الفاظ پیش نہیں کئے۔ آپ نے سر مبارک اٹھا کر ایک شخص کو حکم دیا جو کھڑا ہوا تھا کہ استرا لے جاؤ اور اس کے ساتھ اسے ذبح کر دو۔ واپس عراق پہنچا تو میں نے سنا کہ اس کو بستر پر ذبح کر دیا گیا۔

جب میں اپنے شہر آیا تو امیر کے بارے میں دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ اسے اس کے بستر پر ذبح کر دیا گیا تھا۔

میں نے یہ خواب لوگوں کو بتایا تو اس کی بڑی تشہیر ہو گئی یہاں تک کہ اس کی اطلاع امیر قرواش بن مسیب کو ہو گئی۔ اس نے مجھے بلایا اور کہا کہ یہ واقعہ تفصیل سے بیان کرو۔ میں نے بیان کر دیا تو اس نے کہا کیا تم استرے کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں، اس نے استروں سے بھرا ہوا تھال میرے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ وہ استرا بتاؤ جو تم نے نبی کریم ﷺ کی دست اقدس میں دیکھا تھا تو میں نے وہی استرہ پکڑا جو میں نے نبی کریم ﷺ کے دست مبارک میں دیکھا تھا اور آپ نے اس شخص کو دیا تھا امیر نے کہا تم نے سچ کہا یہ وہی استرا ہے جو اس کے سر کے پاس ملا تھا جس سے وہ ذبح کیا گیا تھا۔

گذشتہ سند کے ساتھ جو ابو طاہر حافظ احمد بن محمد تک پہنچتی ہے۔ مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد ابو بکر محمد بن عبداللہ الیمنی نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو محمد عبداللہ بن محمد فقیہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مکہ معظمہ جانے والوں کی ایک جماعت دوران سال راستے میں جمع ہوگئی ان میں سے ایک شخص بہت نمازیں پڑھتا تھا، وہ فوت ہوگیا اس کے دفن کے مسئلے نے ساتھیوں کو پریشان کر دیا، انہیں جنگل میں ایک خیمہ دکھائی دیا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اس میں ایک بڑھیا موجود ہے اور اس کے پاس ایک کدال بھی موجود ہے، ان حضرات نے درخواست کی کہ کدال ہمیں دے دیں۔ اس عورت نے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرو کہ یہ کدال واپس کر دو گے، بڑھیا نے جو عہد و پیمان مانگا ہم نے اسے دے دیا کدال کے ساتھ قبر کھود کر میت کو اس میں دفن کر دیا سو اتفاق کہ کدال قبر ہی میں بھول گئے اس کے ساتھ ہی انہیں بڑھیا سے کیا ہوا معاہدہ یاد آ گیا۔ بامر مجبوری انہوں نے قبر کھولی اور یہ دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ وہ کدال ایک طوق بن چکا ہے جس نے اس کے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ رکھا تھا، انہوں نے قبر کو بند کر دیا اور جا کر بڑھیا کو پورا ماجرا سنا دیا۔ بڑھیا نے کہا "لا الہ الا اللہ مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی تھی" آپ نے حکم دیا کہ اس کدال کو سنبھال کر رکھنا کہ یہ ایک ایسے شخص کی گردن کا طوق ہے جو ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا ہے۔

میں سلف صالحین کی پیروی کرتا ہوں اور راہِ بدعت اختیار نہیں کرتا

ہمیں خبر دی ابو المعالی عبدالرحمان بن علی قرشی نے، انہیں خبر دی ابوالفضل محمد بن یوسف بن علی غزنوی نے، انہیں دو بزرگوں نے خبر دی (۱) ابو عبداللہ حسین بن حسن بن عبداللہ مقدری (۲) قاضی ابوالفضل محمد بن عمر بن یوسف، ان دونوں کو خبر دی شیخ ابو القاسم علی بن احمد علی بسری نے، ان دونوں بزرگوں نے ان کے پاس یہ واقعہ پڑھا انہیں خبر دی اور اجازت دی ابو عبداللہ عبیداللہ بن محمد بن حمدان فقیہ نے، انہیں خبر دی ابو عمر غلام ثعلب نے، انہیں خبر دی ابو بکر بن ابو الطیب مؤدب آل حماد نے، انہیں خبر دی ابو محمد خراسانی نے کہ ہمارے ہاں خراسان کا ایک بادشاہ تھا، اس کا ایک خادم بڑا عبادت گزار تھا، ایک سال وہ خادم حج کے لئے تیار ہوا تو اس نے اپنے آقا سے سفر حج کی اجازت طلب کی، اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

خادم نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے تم سے اجازت طلب کی ہے، مہربانی کر کے مجھے اجازت دے دو، اس نے کہا کہ اس شرط پر اجازت دوں گا کہ تم میرا ایک کام کرنے کی ذمہ داری لو۔ اگر ذمہ داری لیتے ہو تو اجازت دوں گا ورنہ نہیں۔ خادم نے کہا بتاؤ کام کیا ہے؟ کہنے لگا میں تیرے ساتھ کچھ مرد کچھ خادم کچھ اونٹنیاں اور بار برداری کے جانور بھیجوں گا، جب تم حضرت محمد ﷺ کی قبر انور پر پہنچو تو کہنا یا رسول اللہ ﷺ! میرا آقا یہ کہتا ہے کہ یہ جو دو آپ کے ساتھ محو استراحت ہیں (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) میں ان سے بری اور بیزار ہوں۔ میں نے کہا، مجھے منظور ہے اور جو کچھ میرے دل میں تھا وہ میرے رب کے علم میں تھا۔

پھر ہم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، میں پہلی فرصت میں سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا، صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کیا، مارے شرم کے وہ ناشائستہ پیغام عرض نہ کر سکا جو شاہ خراسان نے دیا تھا۔

اس خادم کا بیان ہے کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں روضہ اقدس کے سامنے مسجد میں سو گیا، میں نے خواب میں دیکھا جیسے روضہ اقدس کی دیوار پھٹ گئی ہے رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ نے سبز کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے اور کستوری کی خوشبو آپ کے جسم اقدس سے مہک رہی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق آپ کی دائیں جانب تھے انہوں نے بھی سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے حضرت عمر فاروق آپ کی بائیں جانب تھے ان کے کپڑے بھی سبز تھے، مجھے یوں معلوم ہوا جیسے نبی اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا ہو اوعقل مند! تو پیغام کیوں نہیں دیتا؟

میں نبی اکرم ﷺ کے رعب کی بنا پر سرو قد کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے ساتھ آرام کرنے والے دو حضرات کے بارے میں میرے آقا نے جو الفاظ کہے تھے وہ عرض کرتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا جان لے کہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ حج کر کے صحیح سالم خراسان پہنچ جائے گا جب تو وہاں پہنچے تو اسے کہنا نبی اکرم ﷺ تجھے فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور میں اس شخص سے بری اور بیزار ہیں جو ابو بکر صدیق اور عمر فاروق سے بیزار ہو، کیا تو سمجھ گیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں سمجھ گیا ہوں۔

پھر فرمایا یہ بھی جان لے کہ تمہارے اس شخص کے پاس پہنچنے کے چوتھے دن وہ مر جائے گا، کیا سمجھ گئے ہو؟ عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ پھر فرمایا مرنے سے پہلے اس کے چہرے پر پھنسی نکلے گی کیا سمجھ گئے ہو؟ عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ۔

تمھیں آگ میں جانے کی کیا بے قراری ھے ذرا صبر کرو

میں بیدار ہوا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اپنے حبیب مکرم ﷺ اور آپ کے پہلو میں محو استراحت دو خلفاء کی زیارت نصیب فرمائی اور اس بات پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مجھے پیغام پیش نہیں کرنا پڑا۔

خادم نے بیان کیا کہ پھر میں نے حج کیا اور صحیح سالم واپس خراسان پہنچ گیا، میں بہترین قسم کے تحفے لے کر آیا تھا جو بادشاہ اور دوسرے لوگوں کو پیش کئے، دو دن تو میرا آقا خاموش رہا، تیسرے دن کہنے لگا کہ میرا کام کیا تھا یا نہیں؟ میں نے کہا وہ ہو گیا، میں نے پوچھا آپ اس کا جواب سننا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا بتاؤ۔ میں نے اسے پورا واقعہ سنا دیا، جب میں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان پر پہنچا کہ "اللہ تعالیٰ اور میں اس سے بری ہیں جو ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بری ہے" تو اس نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا ہم ان سے بری وہ ہم سے بری، چلو جان چھوٹی، میں نے دل میں کہا او دشمن خدا! تو عنقریب جان لے گا۔

شیخین کو گالیاں دینے والے کے دونوں ہاتھ خنزیر کے ہاتھوں جیسے ہو گئے

میری آمد کے چوتھے دن اس کے چہرے پر ایک پھنسی نکل آئی جو اس کے لئے تکلیف کا باعث بن گئی، ظہر کی نماز پڑھنے سے پہلے ہم اس کی تدفین سے فارغ ہو چکے تھے۔

میں نے ابو العباس سبتی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ انہیں ایک عمر رسیدہ بزرگ نے بیان کیا کہ میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مسجد میں تھا، یہ مصریوں کی حکومت کا آخری دور تھا، ہم ایک نماز پڑھ رہے تھے غالباً فجر کی نماز تھی میں نے جامع مسجد کے صحن میں کچھ شور سنا، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ اکٹھے ہو گئے دیکھا کہ ایک شخص کو کسی نے ذبح کر دیا ہے۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا میں نے اسے ذبح کیا ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ یہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دے رہا تھا۔ اس شخص کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا سلطان نے اس سے پوچھا کیا قصہ ہے؟ اس شخص نے کہا میں نے اسے قتل کیا ہے۔ سلطان نے حکم دیا کہ قاتل کو قید کر دیا جائے اور مقتول کو دفن کر دیا جائے۔

جب اس کے لئے قبر کھودی گئی تو اس میں سانپ موجود تھا، دوسری جگہ پھر تیسری جگہ کھودی گئی ہر جگہ سانپ موجود تھا چنانچہ تیسری قبر میں اسے دفن کر دیا گیا۔

آئندہ واقعہ ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "مجابی الدعوۃ" میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں خبر دی ابو الحسن علی بن ابو الفضائل شافعی نے، انہوں نے روایت کی شہدہ بنت احمد سے، انہیں خبر دی طراد بن محمد نے، انہیں خبر دی ابو الحسین بن بشران نے، انہیں خبر دی ابو علی بن صفوان نے، انہیں خبر دی عبد اللہ بن محمد بن ابی الدنیا نے، انہیں خبر دی سوید بن سعید نے، وہ روایت کرتے ہیں ابو الحیاۃ تیمی سے انہوں نے مکہ کے مؤذن سے۔ مکہ کے مؤذن نے بیان کیا کہ میں اور میرے چچا مکران کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ ایک مؤذن تھا جو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا تھا، ہم نے اسے بہت منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا ہم نے اسے کہا تو ہم سے الگ ہو جا، وہ ہم سے الگ ہو گیا اور جب ہمارے سفر کا وقت قریب ہوا تو ہم نادم ہوئے ہم نے سوچا کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم کوفہ واپسی تک اسے اپنے ساتھ رکھتے، ہم نے اس کے غلام سے بات کی اور اسے کہا کہ اپنے آقا سے کہو کہ ہمارے پاس واپس آ جائے۔ اس نے کہا اسے تو بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ خنزیر کے ہاتھوں جیسے ہو گئے ہیں (نعوذ باللہ تعالیٰ من قہرہ وغضبہ) ہم اس کے پاس گئے اور اسے کہا! ہمارے پاس واپس آ جا اس نے کہا مجھے تو بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے اس نے اپنے دونوں بازو ہمارے سامنے کر دیے ہم نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ واقعی خنزیر جیسے ہیں۔ راوی کہتے ہیں ہم ساتھ رہے یہاں تک کہ ایک ایسے گاؤں میں پہنچے جہاں خنزیر بکثرت تھے، جب اس شخص نے خنزیروں کو دیکھا تو ایک زوردار چیخ ماری اور اپنی جگہ سے اچھلا، اب وہ پورا خنزیر بن چکا تھا اور بھاگ گیا۔ ہم اس کا سامان اور غلام کوفہ لے آئے۔

اسی سند کے ساتھ ابو الحیاۃ سے روایت ہے کہ مجھے ایک شخص نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر پر روانہ ہوئے ہمارے ساتھ ایک شخص تھا جو حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا تھا ہم نے اسے بہت منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ وہ کسی حاجت سے باہر نکلا تو اس پر بھڑوں نے حملہ کر دیا، اس نے فریاد کی اور مدد کے لئے پکارا۔ ہم اس کی امداد کو پہنچے تو بھڑوں نے ہم پر بھی حملہ کر دیا یہاں تک کہ ہم نے اسے مجبوراً اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ بھڑوں نے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اسے ہلاک نہیں کر دیا۔

ہمیں دو بزرگ اماموں نے خبر دی ذکی الدین ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی منذری انہوں نے اجازت بھی دی۔ (۲) رشید الدین ابو الحسین یحییٰ بن علی قرشی، ان سے یہ واقعہ سنا، انہیں خبر دی قاضی متبحر فقیہ جمال الدین ابو طالب احمد بن القاضی المکین ابو الفضل عبد اللہ بن ابی علی حسین بن

حدید کنانی نے (سماعاً) انہیں خبر دی حافظ ابوطاہر احمد بن محمد بن احمد بن ابراہیم سلفی نے، انہیں خبر دی شیخ ابوالحسین مبارک بن عبدالجبار نے، انہیں خبر دی عبدالعزیز نے، انہیں خبر دی ابوبکر المفید نے، انہیں خبر دی احمد بن عبدالاعلیٰ نے، انہیں خبر دی صالح بن عبیداللہ قرشی نے، انہیں خبر دی ابن عبیدابن سلیمان نے، انہوں نے روایت کی شہر بن حوشب سے۔

حضرت شہر بن حوشب نے فرمایا کہ میں شہر کے باہر کھلے میدان میں جنازوں پر نماز پڑھنے کے لئے نکل جاتا تھا اور جب مجھے اندازہ ہو جاتا کہ ان کوئی جنازہ نہیں آئے گا تو میں واپس آجاتا تھا۔ ایک دن نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو شخص آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہیں، دونوں نے اون کا لباس پہنا ہوا تھا، ان میں سے ایک نے دوسرے کو زخمی کر دیا میں نے انہیں چھڑانے کے لئے مداخلت کی اور کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کپڑے تو نیک اور شریف لوگوں کے پہن رکھے ہیں لیکن تمھارے کام شریر لوگوں کے ہیں۔ جس شخص نے دوسرے کو زخمی کیا تھا وہ کہنے لگا مجھے چھوڑو تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کیا کہتا ہے؟ میں نے کہا کیا کہتا ہے؟ کہنے لگا کہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اسلام لانے کے بعد معاذ اللہ کافر ہو گئے تھے اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے اور انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی نیز یہ شخص تقدیر کا انکار کرتا ہے اور خارجیوں والا عقیدہ رکھتا ہے اور دین میں راہ بدعت نکالتا ہے۔ میں نے دوسرے شخص سے پوچھا کہ کیا واقعی تیرے عقائد یہی ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے اس کے ساتھی سے کہا اسے چھوڑ دو کیونکہ تیرا اور اس کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اس نے میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

میں نے کہا کیسے فیصلہ فرما دے۔ نبی اکرم ﷺ رحلت فرما گئے اور سلسلہ وحی منقطع ہو چکا ہے۔ اس نے قریب ہی واقع حمام کے آتش دان کی طرف دیکھا جسے اس کے مالک نے سلگا رکھا تھا اور اس کا دروازہ بند کرنے والا تھا، شخص مذکور نے کہا کہ ہم دونوں اس آتش دان میں داخل ہوں گے ہم سے جو حق پر ہوگا وہ بچ جائیگا اور جو باطل پر ہوگا وہ جل جائے گا۔ میں نے دوسرے شخص سے پوچھا کہ تو بھی اس کے لئے تیار ہے؟ اس نے کہا ہاں! دونوں آتش دان کے مالک کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ آتش دان کا دروازہ بند نہ کرنا ہم اس میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اس نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا لیکن ان دونوں نے کہا کہ ہم اس میں داخل ہو کر رہیں گے، مالک نے کہا وجہ کیا ہے؟ اور تم آگ میں جانے کے لئے کیوں بے قرار ہو؟ انہوں نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ اس نے پھر انہیں اس حرکت سے منع کیا لیکن وہ نہیں مانے۔ سنی نے بدعتی کو کہا، میں پہلے داخل ہوں یا تم پہلے داخل ہو گے؟ اس نے کہا پہلے تم داخل ہو۔ سنی آگے بڑھا اس نے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق حمد و ثنا کی اور دعا مانگی بار الہا! تو جانتا ہے کہ میرا دین اور عقیدہ یہ ہے کہ تیرے رسول مکرم ﷺ کے بعد سب انسانوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں جنہوں نے تیرے رسول کی امداد کی اور جان و مال کے ساتھ آپ کی خدمت کی اور نصرت یوں کی کہ وہ سب سے پہلے اسلام لائے، آپ کے پروگرام کی تکمیل کے لئے دست و بازو بنے اور تیرے حبیب ﷺ اور جو کچھ آپ لائے اس پر ایمان لائے، ان کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں جسے ثانی الاثنین کہا جا سکے۔ جب وہ غار میں تھے، جب وہ تیرے حبیب اپنے صاحب کو فرما رہے تھے غمگین نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی طرح اس کے دوسرے فضائل بیان کئے پھر حضرت عمر فاروق افضل ہیں جن کے ذریعے تو نے اسلام کو عزت بخشی اور ان کے ذریعے حق و باطل میں فرق کیا۔ پھر حضرت عثمان غنی جو رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر ہیں، جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر ہماری تیسری بیٹی ہوتی تو وہ بھی تمھارے نکاح میں دے دیتے۔ وہی ہیں جنھوں نے جیش عسرت کو (غزوہ تبوک کے موقع پر) تیار کیا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے حکم پر در پیش معاملات میں ذمہ داری نبھائی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر فضائل بیان کئے۔ ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب ہیں جو تیرے رسول ﷺ کے چچا کے بیٹے اور آپ کے صاحبزادی سیدہ فاطمہ کے شریک حیات، تمام مخلوق میں آپ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزز اور آپ کے دونواسوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے والد اور رسول اللہ ﷺ کی پریشانیوں کو دور کرنے والے ہیں اور ایسے ہی دیگر فضائل بیان کئے اور میں اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں اور ہر اس چیز پر میرا ایمان ہے جس کا تیرے رسول ﷺ نے حکم دیا اور جس سے منع فرمایا میرا وہ عقیدہ نہیں ہے جو خوارج کا ہے۔ میں قبروں سے اٹھائے جانے اور میدان محشر کی طرف چلائے جانے پر ایمان رکھتا ہوں، تو حق ہے اور بیان فرمانے والا ہے، تیری مثل کوئی شے نہیں، تو ہی اہل قبور کو اٹھانے گا، میں سلف صالحین کی پیروی کرتا ہوں اور راہ بدعت اختیار نہیں کرتا۔

پھر کہا اے اللہ! یہ میرا دین اور عقیدہ ہے، اگر میں حق پر ہوں تو اس آگ کو میرے لئے ٹھنڈا فرما دے، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اسے ٹھنڈا کیا تھا، تو مجھ سے اس کی تپش کے شعلوں اور اذیت کو اپنی قوت اور قدرت سے پھیر دے کیونکہ میں یہ کام تیرے دین کی غیرت کی بنا پر کر رہا ہوں اور جو کچھ تیرے رسول گرامی ﷺ لائے اس کی حمایت کی بنا پر کر رہا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں۔

اس کے بعد بدعتی آگے بڑھا اس نے سُنّی کی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر کہنے لگا میرا دین یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان علی بن ابی طالب ہیں پھر سُنّی کی طرح ان کے فضائل بیان کئے اور کہا کہ میں ان کے علاوہ کسی کا حق نہیں جانتا کیونکہ ابوبکر اسلام کے بعد کافر ہوگئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔ دین سے برگشتہ ہوگئے تھے۔ اسی طرح عمر پھر اس بدعت کا ذکر کیا جس کا وہ قائل تھا اور اس چیز کا ذکر کیا جس کی وہ تکذیب کرتا تھا پھر اس نے کہا اے اللہ! یہ میرا دین اور عقیدہ ہے اور ویسے ہی الفاظ کہے جیسے سنی نے کہے تھے اور آگ میں داخل ہوگیا، آتش دان کے مالک نے دروازہ بند کردیا اور یہ سوچ کر چل دیا کہ دونوں جل کر راکھ ہوجائیں گے اور یہ کہ ان دونوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (اور خودکشی کی ہے) شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں وہیں کھڑا رہا میں ان دونوں کا فیصلہ سامنے آنے سے پہلے جانا نہیں چاہتا تھا۔ میں ایک سائے سے دوسرے سائے کی طرف منتقل ہوتا رہا لیکن میری آنکھیں بدستور آتش دان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا، اچانک دروازہ کھلا اور سنی باہر نکلا اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔ میں اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اس کا منہ چوما، اس کے بعد پوچھا تم کس طرح رہے؟ اس نے کہا خیریت کے ساتھ رہا، مجھے ایسی نشست گاہ تک پہنچا دیا گیا جہاں طرح طرح کے قالین بچھے ہوئے تھے اور اس میں قسما قسم کے پھول تھے اور خدام تھے۔ مجھے ایک قالین پر سلا دیا گیا۔ میں اس وقت تک وہاں سوتا رہا یہاں تک کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے کہا اٹھو! تمھارے اس جگہ سے جانے کا وقت ہو چکا ہے۔ نماز کا وقت بھی ہو چکا ہے اٹھو اور نماز پڑھو۔ چنانچہ میں باہر نکل آیا میں نے اس سُنی کو کہا کہ تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو اور آتش دان کے مالک کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا، وہ آیا تو اس کے پاس لوہے کی کنڈی تھی وہ بدعتی کو تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ کنڈی اس کے جسم کے کسی حصے پر لگی اس نے اس کو کھینچ کر نکالا جو جل کر کوئلہ ہو چکا تھا۔ صرف اس کی پیشانی باقی تھی وہ سفید تھی اس پر دو سطریں لکھی ہوئی تھیں جنہیں ہر آنے جانے والا پڑھ سکتا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکھا تھا:

''یہ وہ بندہ ہے جس نے بغاوت کی اور حد سے تجاوز کیا اور ابوبکر و عمر کا انکار کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے۔''

لوگوں نے تین دن تک اپنی دکانیں بند رکھیں۔ کسی نے دکان نہیں کھولی، لوگ باری باری آتے اور اس شخص کو دیکھتے، سنی سے اس کی داستان سنتے، چار ہزار افراد نے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالی دینے سے توبہ کی۔

❁ ❁ ❁

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا
صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا
لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰٓئِكَ
هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ
عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ
اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝

اہل کتاب اور مشرکین میں منکرین حق باز آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محکم دلیل آجائے۔ اللہ کے رسول، پڑھ کر سناتے ہیں پاک صحیفے جن کی ثبت تحریریں انتہائی پختہ ہوتی ہیں اور کتاب دیے گئے لوگوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس دلیل آ پہنچی جب کہ انہیں یہی حکم ملا تھا کہ وہ سب اللہ ہی کی عبادت کریں دین کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے یکسو ہو جائیں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور پختہ دین یہی ہے۔ بے شک اہل کتاب سے جنہوں نے کفر کیا اور مشرکین جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے یہی لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں مخلوق میں سب سے بہترین لوگ یہی ہیں ان کی جزا ان کے ربّ کے پاس ہمیشگی رہنے والی ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ تا ابد اُن میں رہیں گے، اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی، یہ سب کچھ اس کے لیے ہے جو اپنے ربّ سے ڈرا

سورت کا نام "البینہ" ہے۔ اسے "سورہ لم یکن" کا نام بھی دیا گیا ہے۔ ابوحیان اندلسی اسے کی سورتوں میں شمار کرتے تھے۔ جمہور کا قول مدنی ہونے کا ہے۔ آیت میں ایسے اشارات موجود ہیں جن سے مدنی ہونے کی علامتیں متعین کی جاسکتی ہیں۔ طبرانی کی یہ حدیث توجہ چاہتی ہے کہ "سورہ البینہ" جب نازل ہوئی تو جبرائیل عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! رب کریم نے حکم دیا ہے کہ یہ سورت "ابی بن کعب" کو پڑھ کر سنائیں۔ رحمت عالم ﷺ نے جب یہ بات ابی بن کعب کو بتائی تو وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ کیا اس بندے کو وہاں بھی یاد کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں اس پر "ابی بن کعب" فرط محبت سے رو پڑے۔ اس سورت میں پانچ باتوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ یہ کہ تعمیر انسانیت کا محکم، مستقیم اور لازوال تاثر رکھنے والا نصاب حیات قرآن حکیم ہے۔ اس کی تلاوت ہی سے بشریت کی تقدیر بدلی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ اس کی تحریریں مثبت و مطہر ہیں کردار سازی کا یہی منہاج قدیم ہے۔۔۔۔۔!!

ضرورت رسالت کا مسئلہ پوری لطافت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے محض کتاب کافی نہیں صاحب کتاب کی بھی ضرورت ہے۔ یہاں قاری قرآن دیکھے گا کہ حضور انور ﷺ کی عظمت رسالت اور سیرت وشان اس دل آویزی کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ اس سورت کا ہر لفظ اور ہر کلمہ ایک شفاف آئینہ بن گیا ہے جس میں حضور ﷺ کا اخلاق انقلاب آفرین بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔!!

نزول کتاب سے پہلے اور حضور ﷺ کے میلاد شریف سے قبل کا جو انسانی معاشرہ تھا اسے قرآن مجید نے بے حجاب کیا کہ لوگ شرک، تشتت اور افتراق کے بوجھ تلے کس طرح دبے پڑے تھے ان کی اخلاق باختگیوں کی تاریکی میں اسلام کا مہتاب جو روشنیاں لے کر آیا تھا ان کی وضاحت کی گئی یہی وہ نکتہ ہے جس پر انسانی معاشروں پر مذہب کے احسانات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔!!

تعمیر انسانیت کا محکم، مستقیم اور لازوال تاثر رکھنے والا نصاب حیات قرآن ہے

قرآنی دعوات کا مرکزی نکتہ بندگی اور عبادت بتایا گیا ہے شرک کی نفی ہوئی، اللہ تعالیٰ کی طرف یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونے کو مذہبی ضرورت قرار دیا گیا۔۔۔!!

قاری، قرآن کے سامنے مصطفائی معاشرہ بطور نمونہ قرآن حکیم نے پیش کیا۔ صحابہ پاک ﷺ کا عظیم کردار اور بلند مقام پیش کر کے اطاعت رسول اور وابستگی قرآن کا فیضان بتایا گیا کہ بہترین خلائق وہی لوگ ہیں جو ان ماہتابوں سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔۔۔!!

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ

اہل کتاب اور مشرکین میں منکرین حق باز آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محکم دلیل آ جائے

ہر زمانے اور ہر دور کا انسان روحانی مسائل اور مادی کوائف میں انتشار کا شکار رہا۔ قافلہ، انسانیت کی ضرورت ہمیشہ قائم رہی کہ کوئی کامل رہبر اور اکمل رہنما انہیں انتشار احوال کی دلدل سے باہر لائے اور سکون واطمینان کی منزل تک اُن کی رسائی ممکن بنائے۔ حضور انور ﷺ جب تشریف فرما ہوئے تھے انسانی آبادیاں تین قسم کے فتنوں سے دوچار تھیں، یا تو مذہب کا تصور بھی نہیں تھا، انسانی خیالات بدترین آوارگی اور اخلاق باختگی کا شکار تھے یا پھر مذہب تھا تو فکری ڈاکوؤں کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا تھا، علم وعرفان کی شمعیں گل ہو چکی تھیں، خیر وشر میں امتیاز کی ہر علامت بُری طرح مٹ چکی تھی، عورت شہوات یا ظلم وطغیان کے محاصرے میں رہتی۔ انسانی اقدار کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ مغرب، مشرق، شمال اور جنوب ربع مسکون کا چپہ چپہ بے حسی کی برف تلے دبا ہوا تھا۔ جن قوموں میں انبیاء کتب سماوی لے کر آئے تھے وہ بھی درس حق بھلا چکی تھیں بلکہ اہل کتاب، اہل شہوت اور اہل بہیمیت بن چکے تھے۔ حق کا سراغ لگانے والے گمراہیوں کے سمندر میں خود ساختہ خداؤں کی عقیدہ سوز لہروں کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے۔ روحانیت کی تعریف ظالم بادشاہوں کا آلہ کار بنتا تھا۔ سیاست میں ظلم، مذہب میں عیاشی اور سوچوں میں الحاد نے انسانی وجود کو کچل رکھا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی عظیم رہبر ابھرے، قوی ومستقیم حجت کا غلبہ ہو، حسن حقیقی دیکھنے والی آنکھ کو تڑپائے اور اور اپنا گرویدہ بنا لے اور یوں کاروان انسانیت کو حالات کی چیرہ دستیوں سے نجات ملے۔

آیہ مذکورہ میں اللہ رب العالمین نے اہل کتاب اور مشرکین کی یہی حالت بیان کی اور فرمایا کہ وہ کب کفر اور ضد سے باز آنے والے تھے جب تک کہ ان میں عظیم، مستحکم، قوی اور مضبوط دلیل رسول معظم کی صورت میں نہ مبعوث ہو جائے۔ اس آیت میں گویا انسانی ضرورت بیان کی گئی اور آمد مصطفیٰ کی نوید جانفزا بھی سنائی گئی اور قیادت رسالت کے انسانی معاشرہ میں اثرات اور احسانات بھی بیان کیے گئے اسلوب کی

دلکشی دیکھئے کہ آنے والی قیادت کو "البینہ" سے تعبیر کیا گیا اور رسول کو "البینہ" کا بدل ٹھہرایا گیا اور بتایا گیا کہ رسول ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی دعوت کو دلیل، حجت، منطق اور عقلی تاثیر کے ماحول میں اٹھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی دعوت کو ہر طبقہ انسانیت کے لیے قبول کرنا آسان ہوتا ہے۔ آیت میں "لم یکن" فعل ناقص کے مفہوم میں نہیں بلکہ فعل تام کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ "البینہ" کا معنی اور مفہوم روشن دلیل ہوتا ہے اور اس کی چھ جہتیں ہیں:

۱۔ بیان میں تاثیر اور وضاحت
۲۔ کردار میں روشنی اور جاذبیت
۳۔ دلائل میں مضبوطی اور منطق
۴۔ اثر میں انقلابیت اور تبدیلی
۵۔ روحانیت میں اعجاز اور معجزہ نمائی
۶۔ دعوات میں سکون اور راحت

وہ تہیہ کر بیٹھے تھے کہ بہر حال انھیں اندھیروں میں رہنا ہے

دلیل ازالہ شک کا نام ہے۔ سوال ہے ذہن کے پردوں پر چھائے ہوئے ظلمتوں کے حجاب کون رفع کر سکتا ہے اور روحوں کی دنیا میں معجزاتی شادمانی کس ذات کے صادر کیے ہوئے لفظوں میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ پیچیدہ فلسفوں اور منتشر مذاہب کے مراکز میں فکر و نظر کے حقیقی چراغ کون روشن کر سکتا ہے۔ قرآن حکیم پوری برجستگی کے ساتھ اس مربوط اور مبسوط صداقت کا اظہار کر دیتا ہے کہ مادی مظاہر میں ملکوتی حسن کا اعجاز رکھنے والا اشہر یار اللہ کا رسول ہے جن کا ایک ایک لفظ مایوس اور مغموم انسانوں کے لیے نئی زندگی، توانائی اور حوصلوں کی دولت بانٹتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ ماہتاب کی نورانی کرنیں وجود ماہتاب کی دلیل ہوتی ہیں اور گھنگھور گھٹائیں باران رحمت کا مقدمہ، سنگ میل مسافروں کے لیے منزل کا تعین کرتے ہیں اور پرندوں کے چہچہے بہاروں کے نقیب ہوتے ہیں بلاشبہ پیغمبروں کا وجود کائنات میں جو کچھ ہے سب کے لئے خالق کی برہان اتم ہوتا ہے۔ حضور انور ﷺ کا وجود اطہر تو معبود و مقصود کی عطاؤں کی وہ جلوہ گاہ ہے جہاں منزل خود مسافر کے قدم چوم لینے کے لیے بے تاب رہتی ہے۔ "سورہ البینہ" کا یہ مقام انتہائی جمالیاتی لذتوں کا مقسم دکھائی دیتا ہے اس لئے کہ ہدایت کے ہر عنوان کا مرکز حضور انور ﷺ دکھائی دیتے ہیں:

مذہب صرف اُس شخص کا ہوتا ہے جس کا بندگی کا تعلق اللہ سے مضبوط ہو

يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

پڑھ کر سناتے ہیں پاک صحیفے جن کی ثبت تحریریں انتہائی پختہ ہوتی ہیں

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ وہ رسول انتہائی خوبصورتی کے ساتھ قرآنی وعظ فرماتے ہیں اور اس کی تعریفات حسنہ اُن کی زبان سے ادا ہوتی ہیں۔ ایسا معاشرہ جو اخلاق وفضیلت سے محروم ہو اور سب وشتم نجابت کی علامتیں بن جائیں، حکومتیں ڈکیتی اور ظلم کا دوسرا نام ہو، تلواروں سے ہر دم خون ٹپکتا رہتا ہو ایسے ماحول میں قرآن حکیم نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کو نجی اقتدار قرار دیا اور اطراف وجوانب میں پھیلی ہوئی شرکیہ غلاظتوں کو ختم کرنے والا بنا کر پیش کیا خصوصاً قرآن مجید کے یہ تابناک الفاظ کس قدر حسین دکھائی دیتے ہیں جب کتاب رحمت "رسول من اللہ" کی زبان سے نکلنے والی دعوات کو یہ سند دے رہی ہوتی ہے کہ رسول تلاوت کرتے ہیں

پاک صحیفے

جن کی ثبت تحریریں انتہائی پختہ ہوتی ہیں

ابن زید فرماتے ہیں کہ ان صحیفوں میں عدل وانصاف والی تحریریں ہیں۔

یہاں قرآن مجید کی پانچ صفات غور وفکر کا تقاضا کرتی ہیں۔

پہلی یہ کہ اس کتاب کا اعزاز و اعجاز یہ ہے کہ اس کی تلاوت رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

دوسری یہ ہے کہ یہ کتاب صحف میں محفوظ ہے لیکن سیرت رسول ﷺ دیکھیے کہ آپ پڑھ کر بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ کا پڑھا ہوا کلام صحیفہ ہوتا تھا۔

تیسری یہ کہ یہ صحف مطہرہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ صحیفے جھوٹ اور شک اور نفاق وغیرہ سے پاک ہیں۔

چوتھی یہ کہ صحف محض تلاوت نہیں کیے جاتے اُن کی ثبت تحریریں کردار واخلاق میں بھی رچ بس جاتی ہیں قابل عمل ہونے کے لحاظ سے ان میں پختگی ہے۔

اور پانچویں یہ کہ اس کے احکام میں پختگی اور استحکام ہے اس کے اقدار معتدل اور منصفانہ ہیں۔

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے مخلوق میں بہترین لوگ وہی ہیں

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ

اور کتاب دیے گئے لوگوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ اُن کے پاس دلیل آ پہنچی

امام فخرالدین رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت میں روشن دلیل سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ آپ قرآن مجید لے کر جلوہ افروز ہوئے۔ پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفات عالیہ اور کمالات کا ذکر ہوا تھا۔ آپ کے وجود میں اللہ نے جو نعمت رکھی اس کی طرف اشارات موجود تھے۔ قرآن نے ان سب باتوں کی تائید کی۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ کی آمد سے پہلے وہ سب لوگ آپ کی نبوت پر گویا اجماع کیے ہونے تھے لیکن آپ کی بعثت ہوئی تو بغض و حسد سے اہل کتاب نے تفرقہ کیا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد وہ دل و جان سے آپ کی غلامی کے دائرے آ جاتے لیکن ضد اور عداوت نے انہیں مرکزِ محبت سے دور ہٹا دیا اور یوں وہ بکھرے، اور دوسروں کو بکھیر دیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے روشن دلیل سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام لیے ہیں یعنی آپ جب دعوتِ حق لے کر آئے یہود اُن کے دشمن ہو گئے اور جنہوں نے مانا تھا وہ بھی اغراض دنیوی میں گرفتار ہو گئے اور دنیوی مفادات نے انہیں گروہوں میں بانٹ دیا۔

ممکن ہے یہاں پر اہل کتاب کی قساوتِ قلبی کی طرف اشارہ ہو کہ آنے دن کی ضد بازیوں، کٹ حجتیوں اور ناپاک سوچوں نے اُن کے اندر سے فکر و تفکر کا جوہر ضائع کر دیا تھا، وہ حسن کو دیکھ کر متاثر ہونے والی آنکھ سے محروم ہو گئے تھے اور دلیل دیکھ کر اعتراف کرنے والے دل کی دولت رکھنے سے عاجز ہو چکے تھے۔ اُن کے لیے شمعِ ہدایت جس رنگ میں بھی روشن ہو قیمت نہیں رکھتی تھی وہ تو تہیہ کر بیٹھے تھے کہ بہر حال انہیں اندھیروں میں رہنا ہے۔

اس مسلہ حقیقت سے کوئی دانشمند انکار نہیں کر سکتا کہ ضد، ہٹ دھرمی، بغض اور حسد وہ اندھیرے ہیں جن کی موجودگی میں الفت و اتحاد کی قدریں فیض بار نہیں ہو سکتیں۔ یہ وہ موذی وجود ہیں جن کے انڈوں سے ہمیشہ تفرقہ اور فرقہ بازی ہی پیدا ہوتی ہے۔ پہلے افراد بکھرتے ہیں پھر شخصیتیں اجڑتی ہیں اور یوں آہستہ آہستہ تفرقہ بازی کا آرا قومی وجود پر چلنے لگ جاتا ہے اس طرح ملتیں اپنی عزتوں اور وقار کو اپنے ہاتھوں سے خود ادھیڑ بیٹھتی ہیں۔ وحدت کا راز مرکزِ صدق سے دل و جان سے وابستگی ہے اور صدق کا دوسرا نام تحریک محمدی ﷺ ہے۔ قرآن کا اصل زور تو اسی پر ہے کہ لوگ صدق کی طرف بڑھنے میں تفرقہ نہ کریں۔

علیؑ اور اس کے ساتھی بروز محشر فائزین میں سے ہوں گے

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ

جب کہ انہیں یہی حکم ملا تھا کہ وہ سب اللہ ہی کی عبادت کریں دین کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے یکسو ہو جائیں اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ ادا کرتے رہیں اور پختہ دین یہی ہے

اس آیت میں دو چیزوں پر زور دیا گیا ہے اور انسانی تربیت کے لیے انہی دو چیزوں کا جاننا اور ان سے اعتقادی اور عملی ارتباط رکھنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ اسلام دین قیم ہے اور دوسرا یہ کہ دین قیّم اختیار کرنے سے جو اوصاف حمیدہ پیدا ہوتے ہیں ان کا بیان۔

ایک بھولی بھٹکی قوم جس نے دلائل سے منہ موڑا، الجھی ہوئی راہوں پر جس طرح بکھری، قرآن حکیم بتاتا ہے کہ وہ اصل میں دین میں قیّم اور مضبوط سیدھے راستے سے محروم لوگ تھے۔

دین کا تقاضا یہ تھا کہ وہ عبادت محض اللہ کی کریں اور یہ بھی کہ مذہب صرف اسی شخص کا ہوتا ہے جس کا بندگی کا تعلق اللہ سے مضبوط ہوتا ہے ہر باطل اور جھوٹ سے بچنا روحانیت کا پہلا جلوہ ہے جس شخص کا عقیدہ توحید ہی ٹھیک نہ ہو اور وہ الہٰ واحد کی بندگی نہ کرتا ہو ایسا بد مذہب شخص انسانوں کے حقوق بھی صحیح معنوں میں ادا نہیں کر سکتا۔۔۔۔

دوسری چیز "اخلاص فی الدین" ہے اور اخلاص کے بیج سے جو درخت اُگتا ہے آپ دیکھیں گے کہ اُس میں حسن نیت، متانت، وقت کی قدر، حق کا عرفان، دین کی حفاظت کے جذبے ایسا پھل ضرور آئے گا۔۔۔

عبادت اور خلوص کے بعد دین قیّم کی تیسری عطا حنفیت ہوتی ہے۔ مقاصد دین کی تکمیل کے لئے یکسوئی ہو اور بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں تمام مذاہب اور راستوں سے کٹ ہٹ کر اپنے الٰہ ہی کا بن جائے یعنی اپنے اعتقاد کو شرک سے پاک رکھے اور اس غلط فہمی سے اپنے آپ کو ضرور محفوظ رکھے کہ بعض لوگ رسول معظم ﷺ کی محبت اور اللہ کے پیاروں کی محبت کو اللہ کی محبت سے الگ کوئی چیز تصور کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے پھر اُن کے فکر و اعتقاد کی ساری جہتیں بگڑ جاتی ہیں اور وہ بجائے کفر کی تردید کے اللہ والوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اس کو پکی بات ہی سمجھیں کہ جس نے اللہ کے کسی ولی سے عداوت کی اللہ کا اُس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ دین قیّم حسنِ اعتقاد اور حسن عمل کا جو خوبصورت پیکج دیتا ہے ان میں نماز کا قائم کرنا اور زکوۃ کا ادا کرنا انتہائی ضروری ہے ان دو کے سوا دین کبھی بھی کسی صورت میں بھی دینِ قیّم نہیں بن سکتا۔

ہم حاضر ہیں

ہم حاضر ہیں

اے ربّ ہمارے!

ہماری اطاعتیں تیرے لیے تیار ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا آیت کا معنی یہ ہے کہ تورات اور انجیل میں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ توحید کا عقیدہ رکھتے ہوئے عبادت کو اللہ سے مخصوص رکھیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ

بے شک اہل کتاب سے جنہوں نے کفر کیا اور مشرکین جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے یہی لوگ بدترین مخلوق ہیں

سابقہ آیت نے کھول کر بات واضح کر دی۔ دین قیم رکھنے والے لوگ کون ہیں۔ پاک صحیفوں کی تعلیم نے واضح کر دیا جو لوگ رسول آخرالزمان کو نہیں مانتے وہ حق کی بینہ راسخہ کو رد کرتے ہیں وہ ذہنی اور روحانی لحاظ سے منتشر لوگ ہیں وہ نعمت عظمیٰ یعنی حضور ﷺ کی قدر نہ کرنے والے لوگ ہیں انہیں تشتت وافتراق کی مسلسل چوٹوں نے بری طرح مجروح کر دیا ہے وہ بدقسمتی اور ڈھٹائی سے اسلام کی واضح اور راست شاہراہ پر چلنے سے محروم ہو گئے۔ انہیں اُن کے کفر نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اُن کی محرومیوں کی انتہا کہ وہ اہل کتاب ہو کر بھی سچائی کی تصدیق جراءت سے نہیں کر سکے ہیں، یہ بھی اور مشرک بھی اپنے کافرانہ رویے اور عمل سے جہنمی بن چکے ہیں۔ قرآن مجید نے واشگاف انداز میں کہا کہ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ یہ اپنی بے ایمانہ سوچوں کی وجہ سے اس قدر پست ہو چکے ہیں کہ صحراؤں میں پڑے ہوئے سنگریزے، جنگلوں میں رہنے والے درندے، زمین کے پیٹ پر رینگنے والے کیڑے ان سے بہتر ہیں۔ انہیں ان کی غفلت اور لاپرواہی نے دوزخ میں جا پہنچایا ہے۔ منکرین حق کے لیے قرآن مجید کی یہ تعبیر لرزہ خیز ہے۔ وہ بدترین مخلوق کیوں نہ ہوں کہ اُن کے کبر و غرور، تمرد اور سرکشی کی وجہ سے اُن کے لیے سعادت کے سارے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ آیت میں سوچنے والی بات یہ ہے کہ ترکیب میں اہل کتاب کو مشرکین سے پہلے لایا گیا ہے شاید اس سے اس طرف اشارہ ہو کہ بدبختگی میں وہ لوگ زیادہ محروم ہوتے ہیں جن کے لیے ہدایت کے نشانات روشن ہوں لیکن وہ اُن کی قدر نہ کر سکیں۔ تفسیری نقطہ نظر سے "شر البریہ" سے مراد تمام مخلوق میں وہ بدترین ہیں۔

ایک دوسرے قول میں اسی سے مراد تمام انسانوں میں بُرا ہونا ہے۔

تیسرے قول کے مطابق ٹھکانے اور سکونت کے لحاظ سے بُرے ہیں۔

جملہ اسمیہ کی نحوی ترکیب بتاتی ہے کہ یہ لوگ حال میں بھی بُری حالت میں ہیں اور اُن کا مستقبل بھی ہولناک ہوگا یعنی یہ بدترین مخلوق رہنے سہنے، اخلاق عادات، اثر تاثیر، نفع سود ہر لحاظ سے بُری ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی انتہائی برے انجام کی حامل ہوگی۔

خوش ہونا اور خوش رکھنا بخت کی بات ہے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں مخلوق میں سب سے بہترین لوگ یہی ہیں

یہ آیت کریمہ ایمان والوں اور اعمال صالحہ بجالانے والوں کے لیے مسرتوں اور خوشیوں کی جنت آراستہ کر دیتی ہے۔ انعام و اکرام کا راحت فروغ اسلوب قاری قرآن کے دل میں سکون انڈیل دیتا ہے۔ "خیر البریہ" کی تعبیر مومنوں کے قد کو ہر مخلوق سے بلند کر دیتی ہے۔ عفیف آبگینوں سے زیادہ پاکیزہ مخلوق مقام آدم پر رشک کرتی ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مرفوعاً روایت کیا کہ:

"تم لوگ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک فرشتوں کی قدر و منزلت پر تعجب کا اظہار کرتے ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بندہ مومن کی عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں بروز محشر فرشتوں کی عظمت سے کہیں زیادہ ہوگی اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور ﷺ سے پوچھا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق میں سب سے بڑھ کر معظم و مکرم کون ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا عائشہ تم اس آیت کی تلاوت نہیں کرتیں:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ

امام فخر الدین رازی نے فرشتوں کی فضیلت پر خامہ فرسائی کی اور فرمایا فضیلت دو طرح سے ہوتی ہے ایک عطائی اور دوسری کسبی پھر لکھتے ہیں کہ ملائکہ کی تخلیق نور سے ہے اور انسان کی تخلیق سڑی ہوئی بدبودار مٹی سے۔ فرشتوں کا مسکن وہ ہے جہاں سے آدم کو نکال دیا گیا اور انسان کا مقدر وہاں ٹھہرنا ہوا جہاں شیاطین رہتے ہیں، فرشتے ہماری مصلحتوں کو نبھانے والے ہیں اور انسان کی مصلحتیں اُن کے ہاتھ میں ہیں۔ فرشتے حقیر چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے جبکہ انسان پیٹ ہی کی فکر میں رہتا ہے۔ رہی عبادت تو فرشتے پیغمبروں سے بھی بڑھ کر تسبیح و عبادت کرنے والے ہیں۔

امام فخر الدین رازی کی تحقیق اپنی جگہ لیکن آپ کے قلم سے یہ خطرناک جملہ نکلا کہ فرشتے پیغمبروں سے عبادت میں آگے نکلے ہوتے ہیں۔ بات یاد رہ کی نہیں قرآن کی تعبیر ہے "بہترین مخلوق" "خیر البریہ" جب بات اللہ کی عطا ہی ٹھہری تو کیا "خیر البریہ" کی سند کافی نہیں اور "ولقد کرمنا بنی آدم" کا فضل کفایت نہیں کرتا اور پھر یہ کہ علامہ نسفی کا فیصلہ توازن رکھتا ہے۔

"ابنائے آدم کے خواص یعنی انبیاء و مرسلین خاص فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں اور ابنائے آدم کے عوام یعنی اولیاء اور زاہد لوگ عام فرشتوں سے افضل ہیں اور خاص فرشتے افضل ہیں عام بنی آدم سے" (شرح عقائد نسفی)

اس آیت کا مصداق اگرچہ سب ایمان والے اور اعمال صالحہ بجالانے والے ہیں۔ انعام و اکرام میں تعمیم ہے تخصیص نہیں تاہم آیت کا اولین مصداق حضور ﷺ کے آل اصحاب تھے۔ اُن کی عظمتیں اور رفعتیں اس آیت کے آئینے میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہیں۔

حضرت جابر ﷛ فرماتے ہیں ہم لوگ حضور ﷺ کے پاس تھے۔ دفعتہً علی ﷛ سامنے آئے حضور ﷺ نے فرمایا قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ شخص اور اس کے ساتھی بروز قیامت "فائزین" میں سے ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ان الذین امنو و عملو الصالحات اولئک هم خیر البریہ" اس کے بعد جب بھی اصحاب رسول دیکھتے کہ علی آئے ہیں فرماتے

"خیر البریہ" آ گیا ہے۔۔۔۔۔۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا

ان کی جزا ان کے رب کے پاس ہمیشہ ملی رہنے والی ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ تا ابد اُن میں رہیں گے بندگی کی جزا انعام ہے اور اطاعت کا صلہ جنت ہے لیکن ایسا شخص جو صعوبتوں اور کلفتوں کی راہ میں محبوب کے ذکر سے غافل نہ ہو۔ خوب لکھا رازی نے کہ انسان نطفہ سے بلوغ تک محنت میں مبتلا رہتا ہے شکم مادر کی تنہائیاں اور محبوس و مجبور ہونے کے درد، ولادت کا شکنجہ پھر معصوم وجود کی صبر آزما کلفتیں، گریہ زاری کا رنج، دانت نکلنے کا تکلیف دہ زمانہ پھر پڑھنے لکھنے کے رنج و محن، ماں باپ کی ڈانٹ ڈپٹ، اُستادوں کی جھڑکیاں پھر شعور و آگہی کے بعد راہ الٰہی میں کبھی شب بیداریاں، کبھی زہد و بلا کے چلے، سجود و قیام کے تڑاپے، وصل و ہجر کے امتحان کبھی استغراق اور کبھی التجا پھر دیر بعد دل میں معارف و علوم گل بوٹے اور آنکھ سے عبرت اور یادوں کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ اللہ نے بھی اپنے بندوں کے لئے جزا بیان کی تو فرمایا:

ان کی جزا ان کے رب کے پاس ہے

باغات

ہیشگی کے

جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ باغات ہیشگی کے ہوں گے

بلکہ عشاق الٰہی ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

خالدین پر "ابداً" کا دخول بیان جزا میں اور تلطف و تعطف میں حد سے زیادہ بلاغت رکھتا ہے جیسے کوئی بیان کرنا چاہے ہمیشہ ہمیشہ ہمیشہ ہمیشہ ہمیشہ ہمیشہ "ابداً" نے روحانی مسرتوں اور خوشیوں کو بے بہا کر دیا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ایک جملہ بڑا الذت افزا ہے کہ بلا کیشان محبت کے دلوں میں محبت پر قائم رہنے کی نیت ابد الآباد تک بس گئی تھی اس لیے اللہ انہیں خلود فی الجنہ کی دولت سے نوازا گو کہ انہوں نے عمر کم پائی۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی

خوش ہونا اور خوش رکھنا جنت کی بات ہے۔ غم دینے والا ہی خوشیاں دیتا ہے اور خوشیاں دینے والا ہی غم بانٹتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ایک انسان کو خوش رکھنا مشکل کام ہے چہ جائیکہ یہ دعویٰ کرتا کہ اللہ مجھ سے راضی ہو گیا ہے اور میں اُس سے راضی ہوں۔ ہاں جس نے جنتیں سجائی ہیں اور کوثر و سلسبیل جس کے حکم سے رواں دواں ہوئے وہی آنکھوں میں غم کے آنسو اور دلوں میں خوشیوں کا تموج پیدا فرماتا ہے ایمان اور اعمال صالحہ کی راہ کس قدر خوبصورت ہے کہ خالق خود ہی اپنے چاہنے والوں کو یہ سند عطا فرماتا ہے:

"اللہ اُن سے راضی ہو گا اور وہ اُس سے راضی ہوں گے"

جنت میں ہر محل اور ہر مقام راحتوں اور مسرتوں کا کیف پرور ساں رکھتا ہے لیکن اہل جنت کے لیے اس سے بڑا کوئی اور انعام نہیں ہو سکتا

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں ایک روایت نقل کی:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ اہل جنت سے خطاب فرمائے گا

اے اہل جنت!

جنت والے جواب دیں گے

لبیک ربنا

وسعدیک

والخیر کلہ فی یدیک
ہم حاضر ہیں
ہم حاضر ہیں
اے ربّ ہمارے
اطاعتیں تیرے لیے تیار ہیں
اور خیر ساری کی ساری
تیرے ہی ہاتھوں میں ۔۔۔۔!!
اللہ فرمائے گا
کیا تم راضی اور خوش ہو
وہ جواب دیں گے
''ربّ ہمارے!''
کیا ہم اب بھی نہ خوش ہوں
تو نے ہمیں وہ سب کچھ دے دیا
جو تو نے کسی کو نہ دیا۔
اللہ فرمائے گا
کیا میں تمہیں اس سے فضیلت والی اور اچھی نعمت نہ دے دوں
میں نے اپنی رضا تم پر نازل کر دی
اب میں تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔
(بخاری، مسلم، مظہری، ضیاء القرآن، طبری)
اللہ تعالیٰ تو اپنے بندے کو اپنی نعمتوں سے نواز کر اور اس کی تمنا پوری کر کے راضی ہوتا ہے اور بندہ اللہ جل مجدہ کو خوش کر سکتا ہے۔
ایمان کو مستحکم کر کے
اعمال کو صالح بنا کر
نعمتوں پر سپاس گذار ہو کر
فرائض اور واجبات کی پابندی کر کے
تسلیم و تفویض کی راہ اپنا کر
اللہ کے حبیب مکرم ﷺ سے سچا عشق کر کے
کہ اُن کے نام کی مالا جپے
اُن پر درود و سلام پڑھے
اور
اُن کی اطاعت میں
ڈوب جائے
جنت انہی اعمال کا ''عوض المآب'' ہے

ان کی اطاعت میں ڈوب جانا اعمال کا عوض المآب ھے

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ

یہ سب کچھ اس کے لیے ہے جو اپنے ربّ سے ڈرا

دل کی وہ کمزوری جو دوسروں کے ساتھ زیادتی سے پیدا ہوا یا بے جا تمناؤں اور عبث آرزوؤں کی تکمیل نہ ہونے کی صورت میں دل میں کھٹکے یا پھر موجود کے معدوم ہونے کا اندیشہ بن کر دل کو بے چین کرے خوف کہلاتی ہے اور اگر آپ کسی سے محبت کریں اور آپ کا محبوب بڑا بھی ہو، باجمال بھی ہو اور اس کی رہبت دل پر کپکپی طاری کردے تو ایسے محبوب کی رہبت سے جو دل میں عاجزی، انکساری لیکن چاہت پر اصرار کی کیفیت طاری ہو خشیت کہلاتی ہے۔ خشیت دراصل محبت کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہ سچی محبتوں کی دنیا میں ایک حقیقت کا نام ہے۔ خوف حادثہ ہوسکتا ہے لیکن خشیت حادثہ نہیں ہوتی خشیت محبوب کا انعام ہوتی ہے ایک ایسا تخم جس سے رضائے محبوب کی فصل اُگتی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے ربّ کی خشیت دل میں پیدا کر لیتے ہیں قرآن اعلان کرتا ہے جنت اور جنت کی بہاریں انہی کے نام ہیں۔

فللہ الحمد و علی رسولہ الف الف صلوۃ و بہ تمت البنہ للفلاح و النجات

✿ ✿ ✿

آسمانِ رسالت کے درخشندہ ستارے

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

اب ہم ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احوال بیان کرتے ہیں جو صحابہ کرام کے پیش رو اور امام گذرے ہیں اور بعد انبیاء سب سے افضل اور معاملات میں سب کے پیشوا اور انفاس ذکیہ میں قواد اور اہل حال کی جماعت میں بعد انبیاء سابقین الاولین اور تمام مہاجرین وانصار سے افضل ترین تاکہ تیری مراد معلومات پوری ہو۔ انشاء اللہ عزوجل

ان میں شیخ الاسلام بعد انبیاء خیر الانام خلیفہ پیغمبر وامام سید اہل تجرید شہنشاہ ارباب تفرید وآفات انسانی سے بعید امیر المومنین حضرت ابو بکر عبداللہ ابن عثمان الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی کرامات مشہور ہیں اور احکام ومعاملات میں آپ کے قوی دلائل ہیں اور مسائل وحقائق تصوف میں مشہور۔ آپ کا کچھ حال تصوف کے باب میں ذکر کیا گیا۔ اس وجہ میں مشائخ کرام آپ کو پیشوا اہل مشاہدہ مانتے ہیں (اس لئے کہ صاحب مشاہدہ جو ہوتا ہے اس کا حال دوسروں پر کم اور بہت کم منکشف ہوتا ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی سخت گیری کی وجہ میں پیشوائے مجاہدین مانتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے اور علماء میں مشہور ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات کے وقت نماز میں قرآن کریم آہستہ آہستہ تلاوت فرماتے اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے قرآن کریم بہ آواز پڑھتے۔ حضور ﷺ نے حضرت صدیق ﷜ سے دریافت فرمایا کہ تم آہستہ تلاوت کیوں کرتے ہو۔ عرض کیا حضور ﷺ اسمع من انا جیہ حضور اس لئے آہستہ پڑھتا ہوں کہ جس کی مناجات کر رہا ہوں مجھ سے غائب نہیں" اور اس کی سماعت ایسی ہے کہ اس کے لئے نزدیک وبعید اور آہستہ پڑھنا یا بلند آواز سے پڑھنا برابر ہے۔

دنیا اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان سے دل لگایا جائے

حضرت عمر ﷜ سے پوچھا تو عرض کیا اوقظ الوسنان ای النائم واطرد الشیطان میں سوتے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔

یہ شان مجاہدات کا مظاہرہ تھا اور وہ شان مشاہدات کا اور یہ امر ظاہر ہے کہ مشاہدہ کے اندر مجاہدہ اس طرح ہے جس طرح قطرہ دریا میں۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا " ھل انت الا حسنۃ من حسنات ابی بکر " عمر تم ابی بکر کی بھلائیوں میں سے ایک حصہ میں ہو۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر ہستی جن سے عزت ووقار اسلام ترقی پر آیا۔ وہ صدیق اکبر کے مقابلہ میں ایک حصہ بھلائی کے مالک ہیں تو غور کر کے دیکھو دنیا کے لوگ آپ کے مقابلہ میں کس درجہ پر ہوں گے پھر باوجود اس شان کے حضرت ابوبکر صدیق ﷜ فرماتے ہیں ودارنا فانیۃ و احوالنا عاریۃ و انفاسنا معدودۃ و کسلنا موجودۃ "ہمارا گھر فانی ہے ہمارے حالات پرائے ہیں اور ہمارے گنتی کے سانس ہیں اور ہماری سستی بدستور موجود ہے"۔

تو سرائے فانی میں دل لگانا عمارت کرنا جہالت کے مقتضیات سے ہے اور اپنے حالات وکوائف پر بھروسہ کرنا حماقت وبے وقوفی ہے اور چند سانس کے بھروسے پر دل لگا لینا غفلت محض ہے اور اپنی کاہلی اور سستی کو دین کہنا خیانت مجرمانہ ہے جو موجب حرمان ونقصان ہے۔

ہمیں مسلمانوں کا خون بہانا ان پر قتل کا بازار گرم کرنا زیبا نہیں

اس لئے جو چیز عاریۃً آئے وہ یقیناً واپس جائے گی اور جو چیز گذرنے والی ہے اور فانی ہے وہ کبھی رہ نہیں سکتی اور جو گنتی کے ساتھ ملی وہ ضرور ختم ہوگی اور کاہلی سستی اس کی دوا معدوم ہے۔ اس فرمان میں صدیق اکبرؓ نے ہمیں ہوشیار فرمایا کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان سے دل لگایا جائے اس لئے کہ جو مشغول بہ فانی ہوگیا وہ باقی کے ساتھ محجوب ہو جائے گا۔

پہلی امتوں میں محدث تھے اور اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہی ہے

تو جب دنیا اور نفس امارہ طالب حق کے لئے زبردست حجاب ہیں تو مجھے لازم ہے کہ ان سے اعراض کروں اور جب یہ جان لیا کہ عاریۃً جو چیز ملتی ہے وہ دوسرے کی ملک ہوتی ہے تو جو چیز کسی اور کی ملک ہے اس سے اپنا دست تصرف کوتاہ رکھنا ہی مناسب ہے۔

اور انہی حضرت صدیقؓ سے ہے کہ آپ نے اپنی دعا میں فرمایا اللھم ابسط لی الدنیا و زھدنی فیھا "الٰہی میرے لئے دنیا فراخ فرما دے اور مجھے دنیا سے زاہد رکھ" یعنی جب مجھ پر دنیا فراخ ہو جائے تو مجھے اس کی آفتوں سے محفوظ رکھ۔ اس دعا کے ضمن میں ایک رمز ہے یعنی پہلے مال عطا فرما تا کہ اس کا شکر ادا کروں پھر ایسی توفیق دے کہ تیرے لئے اس سے ہاتھ کھینچ لوں اور اس سے مستغنی ہو کر منہ پھیر لوں تا کہ مجھے شکر گزاری اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے اور درجہ صبر بھی اتنا عطا فرما کہ بحالت فقر مضطر نہ ہو جاؤں تا کہ میرا فقر اختیاری ہو اس میں پھر معاملت کا قول درست ثابت ہوتا ہے جو کہ فرمایا ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو وہ مصنوعی ہے اور جس کا فقر اختیاری ہو وہ وہ ہے کہ اس کا یہ کسب فقر جلب فقر سے منقطع ہوتا ہے تو وہ فقر اس سے بہتر ہے جو بے تکلف اپنے لئے کوئی درجہ بنائے۔

ہم کہتے ہیں کہ فقر کی صفت زیادہ تر ظاہر جب ہو سکتی ہے جبکہ بحالت غنا ارادہ فقر اس کے دل پر مستولی ہو اور اس حد تک اس ارادہ کو عملی جامہ پہنائے کہ ابنائے بنی آدم کی تمام مرغوب چیزوں سے دل کا رجحان ہٹالے اور وہ تمام مرغوب انسان اشیاء کے مجموعہ کا نام دنیا ہے نہ یہ کہ بحالت فقر غنا کی خواہش اس کے دل پر مستولی ہو اور اس حد تک دنیا حاصل کرنے میں سعی کرے کہ حصول درہم و دینار کے لئے بارگاہ امراء و سلاطین پر جبہ سائی کرتا پھرے۔

تو اچھی طرح سمجھ لو کہ صفت فقر یہ ہے کہ وہ غنا سے فقر کی طرف آئے نہ یہ کہ بحالت فقر طالب ریاست ہو جائے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی ہستی مبارک وہ ہستی ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں ان سے آگے بڑھ کر کسی کو قدم اٹھانا روا نہیں اور وہ ایسے الفاظ میں دعا فرما چکے ہیں جو پہلے گزر چکی اس لئے اختیاری فقر پر اضطراری فقر کو مقدم کرنا کسی طرح صحیح نہیں اور تمام مشائخ متصوفہ اسی مذہب پر ہیں مگر ایک پیر جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور اس کے حجت و دلائل نقل کر کے اس کا رد بھی کر دیا ہے اور اس رد کو حضرت صدیق اکبرؓ کے اس قول سے اور موکد کرتے ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فرمان کو زہری نے روایت کیا ہے یہ دلیل واضح ہے کہ جب آپ نے خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لی آپ منبر پر جلوہ آرا ہوئے اور خطبہ پڑھا خطبے میں آپ نے فرمایا

والله ما كنت حريصاً على الامارة يوماً ولا ليلةً ولا كنت فيها راغباً ولا سألتها الله قط سراً وعلانيةً ومالي في الامارة من راحة

"خدا کی قسم میں اس خلافت و امارت کا حریص نہیں ہوں اور نہ تھا اور کسی رات دن میں اس کی خواہش میرے دل میں نہیں ہوئی اور میری رغبت اس کی طرف نہیں اور نہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے حضور خفیہ و اعلانیہ اس کے لئے دعا کی اور مجھے اس میں کوئی راحت و خوشی نہیں"

حقیقت حال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے عبد صادق کو کمال صدق پر پہنچا دیتا ہے اور درجہ تمکین کے ساتھ معزز و ممتاز بنا دیتا ہے تو وہ کسی معاملے کو اپنے اختیار میں نہیں رکھتا بلکہ منتظر ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی کی طرف سے کیا حکم وارد و صادر ہوتا ہے پھر اگر صدور حکم ہوتا ہے کہ فقیر بن کر رہ تو فقیری پسند کر لیتا ہے اور حکم آتا ہے کہ امارت پر متمکن ہو تو امیر بن جاتا ہے کسی معاملے میں اسے اپنے اختیارات کا تصرف و اختیار نہیں ہوتا نہ وہ خود کسی معاملے میں تصرف کرنا چاہتا ہے جیسا کہ صدیق اکبرؓ کے آپ نے ابتدا میں بھی تسلیم ہی اختیار فرمائی اور انتہا تک اسی تسلیم و رضا کے محور پر رہے چنانچہ تسلیم و رضا کے مسلکے میں جتنے بعد میں ہوئے سب کے سب اسی ہستی کو اپنا امام و پیشوا مانتے چلے آرہے ہیں اور آپ تمام ارباب تسلیم و رضا کے امام اور اہل طریقت کے پیشوا خاص ہیں۔ رضی اللہ عنہ

اور انہیں اجلہ صحابہ میں سے سرہنگ اہل ایمان صعلوک ارباب احسان امام اہل تحقیق در بحر محبت غریق یعنی سردار اہل ایمان پیشوا ارباب

احسان امام اہل تحقیق محبت کے دریا میں غریق ابو حفص سیدنا عمر بن الخطاب ؓ تھے کہ آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں اور آپ کی فراست و سیاست عالم میں مذکور ہیں بلکہ احکام دین کا تشدد اور سیاسیات اسلامی کا تفرس آپ کا ضرب المثل ہے۔ آپ کی باریک بینی لطائف طریقت میں اور آپ کے مسائل دقیقہ معانی تصوف میں مشہور ہیں بلکہ خود سرور عالم ﷺ نے فرمایا الحق ینطق علیٰ لسان عمر ''حق زبان عمر پر کلام فرماتا ہے''۔

اور فرمایا ﷺ قد کان فی الامم محدثون فان یک منھم فی امتی فعمر رضی اللہ عنہ ''پہلی امتوں میں محدث تھے اور اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہی ہے۔''

آپ کی طرف سے طریقت میں بے حد رموز و لطائف مذکور ہیں حتیٰ کہ ان سب کا احصاد احاطہ اس کتاب میں نہیں ہو سکتا تاہم بعض ان سے نقل کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا العزلۃ راحۃ من خلطاء السوء گوشہ نشینی موجب راحت ہے۔ بُرے ہمنشینوں و مصاحبین کے اندر رہنے سے۔

> اصول عشق و محبت اور راضی برضا الٰہی کے ماہر ہمارے شیخ امام حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کریم ہیں

عزلت دو قسم کی ہے ایک اعراض از مخلوقات دوسرے انقطاع، اس مخلوقات سے خلقت سے منہ موڑنا باین صورت ہے کہ کسی علیحدہ مقام میں جا بیٹھے اور علانیہ طور پر صحبت ابنائے جنس سے بیزار ہو جائے اور اس تخلیہ میں بیٹھ کر اپنے عیوب کی نگرانی کرے اور اپنے لئے مخالطت اغیار سے اتنی خلاصی چاہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ہر قسم کی بدی سے مامون کر دے لیکن مخلوق سے انقطاع دل سے ہوتا ہے اور اس تعلق دلی کی صفت اس شان کی ہوتی ہے کہ اسے ظاہر سے قطعاً تعلق نہیں ہوتا اور جب انقطاع دل کے ساتھ مخلوق سے ہو جائے تو اس کے دل پر اندیشہ مخلوق مستولی رہتا ہے۔ اس وقت اس کی یہ شان ہوتی ہے کہ اگرچہ مخلوق میں ہو مگر مخلوق سے تنہا ہی ہوتا ہے اور اس کی توجہ مخلوق سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے اور یہ مقام نہایت بلند ہے اور ہر ایک کے لئے یہ شان بہت بعید ہے۔ اس راہ میں صحیح اترنے والے اور اس صفت کے صحیح موصوف حضرت عمر فاروق ؓ تھے۔ کہ آپ نے تخلیہ کی راحت کا پتہ دیا اور بظاہر لوگوں میں منصب امارت اور تخت خلافت پر جلوہ فرما تھے۔

اور یہ دلیل واضح ہے کہ اہل باطن اگرچہ بظاہر مخلوق میں شامل ہوتے ہیں مگر ان کا دل اپنے جمیل حقیقی کے ساتھ آویختہ ہوتا ہے بلکہ ہر حال میں حق جل وعلا شانہ کی طرف رجوع رہتے ہیں اور جس قدر مخلوقات سے ان کی صحبت ہو واسے من جانب اللہ ایک بلا تصور کرتے ہیں اور مخلوق کی طرف اس مجبوری سے رجحان کر لیتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ محبوبان الٰہی دنیا سے قطعی طور پر صاف نہیں ہو سکتے اور یہ اگرچہ انہیں گوارا نہیں جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا دار اسست علی البلوی بلا بلوی محال ''جس گھر کی بنیاد بلا پر رکھی گئی محال ہے کہ وہ بلا سے خالی ہو۔''

حضرت عمر ؓ اجلہ صحابہ خاص اصحاب رسالت مآب ﷺ سے ہیں اور اس پایہ کے مقبول بارگاہ لم یزل ہیں کہ آپ کے تمام افعال بارگاہ ایزدی پناہ میں مقبول ہیں حتیٰ کہ جب آپ مشرف باسلام ہونے آئے تو پہلے جبرائیل بشارت لائے اور عرض کی یا محمد ﷺ علیک قد استبشر اھل السماء الیوم باسلام عمر ''حضور ﷺ آج ملائکہ کو عمر کے اسلام کا مژدہ ملا ہے۔'' تو اس طائفہ صوفیاء میں خرقہ پوشی باقتداء عمر فاروق رضی اللہ عنہ جاری ہے اور صوفیاء کرام کا مذہب میں سخت اور متصلب ہونا بھی اسی ہستی مقدس کے پیروی میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعد اسلام سب باتوں میں امام خلق ہوئے رضی اللہ عنہ

انہیں اجلہ صحابہ میں سے ابجد وفا بدرگاہ رضا شیخ حیاء اعبد اہل صفا متعلق درگاہ کبریا متجلے بطریق مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ابوعمرو حضرت عثمان بن عفان باحیاء ؓ ہیں۔

آپ کا وجود فوائد دین میں اظہر من الشمس ہے اور مقاصد اسلامی میں آپ کی فضیلت روشن ہے اور آپ کے مناقب ہر شان میں عام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حرب الدار کے روز (یعنی جس دن بلوائیوں نے حضرت عثمان ؓ کا محاصرہ کیا تھا) ہم امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے۔ جب بلوائی بارگاہ عثمانی میں جمع ہو گئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھائے اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو میرا غلام ہتھیار اٹھانے سے رُکا رہے وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ ہم خوف بلوہ کی وجہ سے باہر آئے تو راستے میں حضرت حسن بن علی ؓ ہمیں ملے۔ ان کی ہمراہی میں ہم پھر واپس حضرت امیر المومنین کی خدمت میں حاضر آئے تاکہ ہمیں اس امر کا علم ہو جائے کہ حضرت حسن بن علی ؓ حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں کسی غرض سے تشریف لائے ہیں۔

حضرت امام حسن ﷺ نے سلام سنت الاسلام بلوائیوں کی شرارت پر اظہار افسوس فرماتے ہوئے اجازت چاہی کہ ان بلوائیوں کو ان کی کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور کہا کہ چونکہ آپ ہمارے سچے امام ہیں لہذا آپ کی بلا اجازت ہمیں تلوار اٹھانا روا نہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے اجازت حاصل کریں پھر ان بلوائیوں کے فتنہ کو مٹائیں۔

امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرمایا یا ابن اخی ارجع واجلس فی بیتک حتی یاتی اللہ بامرہ فلا حاجۃ لنا فی اهراق الدماء "اے بھتیجے! واپس تشریف لے جاؤ اور گھر میں آرام کرو حتیٰ کہ حکم الٰہی جو پردہ تقدیر میں ہے آ جائے ہمیں مسلمانوں کا خون بہانا ان پر قتل کا بازار گرم کرنا زیبا نہیں نہ ایسے کاموں سے ہمیں سروکار ہے"۔

یہ علامت خاص تسلیم ورضا کی تھی کہ عین کربت وغربت اور درد وبلا کی حالت میں ظاہر ہوئی اور یہ وہ درجہ خلت ہے جو نمرود علیہ اللعنۃ کی آگ دھکانے کے وقت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا کہ جب منجنیق کے پلڑے میں آپ کو ڈال کر آگ کی طرف پھینکا گیا تو جبریل امین علیہ السلام حاضر آئے اور عرض کی ھل لک من حاجۃ "کیا اس وقت کوئی آپ کو حاجت ہے" آپ نے فرمایا اما علیک فلا۔ جبریل تمہاری طرف میری کوئی حاجت نہیں۔ جبریل نے عرض کی حضور اگر میری طرف کوئی حاجت نہیں تو معطی حقیقی رب جل مجدہٗ کے حضور اپنی حاجت پیش فرما دیں۔ فرمایا حسبی سوالی علمہ بحالی۔ مجھ کو وہ جانتا ہے کہ اس وقت مجھ پر کیا ہو رہا ہے اور وہ مجھ سے دانا ہے وہ عالم ہے کہ میرے لئے کس حال میں صلاحیت ہے اور کیا چیز میرے حق میں مفید ہے۔ تو ثابت ہوا کہ عثمان ﷺ اس مقام پر مقام خلت ابراہیم علیہ السلام پر تھے کہ منجنیق اور اجتماع بلوائیاں بجائے آگ کے تھا اور حسن ﷺ بجائے جبریل حاضر تھے۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام عین بلا میں جا کر نجات پا چکے تھے اور حضرت عثمان ﷺ اس بلا میں ہلاک ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نجات متعلق بہ بقا ہے اور ہلاک متعلق بفنا ہے۔ اس حقیقت کے متعلق ہم کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تو انفاق مال وہدیہ جان اور تسلیم امور واخلاص میں مشائخ طریقت حضرت امیر المومنین عثمان غنی ﷺ کے متبع ہے اور وہ یقیناً شریعت وحقیقت میں سچے امام تھے اور ان کی تعلیم وداد ومحبت اسلامی میں اظہر من الشمس ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور انہی میں برادر مصطفیٰ غریق بحر بلا حریق نار ولا مقتداء اولیاء واصفیاء ابوالحسن علی بن ابی طالب شیر خدا کرم اللہ وجہہ ہیں۔ ان کی شان جادہ طریقت میں بڑی اعلیٰ ہے اور بیان حقیقت میں ان کی باریک بینی بہت بلند ہے۔ آپ کا اصول حقائق میں خاص حصہ تھا حتیٰ کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کی شان میں فرماتے ہیں۔ شیخنا فی الاصول والبلاء علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ "یعنی اصول عشق ومحبت اور راضی برضا الٰہی کے ماہر ہمارے شیخ امام حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کریم ہیں۔ گویا صاف فرما رہے ہیں کہ علم معاملات طریقت میں ہمارے امام علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور اصول اصطلاح صوفیاء میں علم تصوف وطریقت کو کہتے ہیں اور طریقت میں عمل خاص جو ہے وہ بلاؤں کا برداشت کرنا ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر آ کر عرض پیرا ہوا کہ یا امیر المومنین مجھے ہدایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا لا تجعلن اکبر شغلک باھلک وولدک فان یکن لا ھلک وولدک من اولیاء اللہ تعالیٰ فان اللہ لا یضیع اولیاء، فان کانو اعداء اللہ فما اھلک وشغلک لاعداء اللہ سبحانہ، یاد رکھو کہ اپنی مشغولیت کو بیوی بچوں میں اہمیت کے ساتھ نہ رجوع کرنا اس لئے کہ اگر وہ اولیاء اللہ سے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو خراب اور ضائع نہیں فرماتا اور اگر دشمن خدا ہوئے تو دشمنان خدا کے لئے غمخواری وہمدردی کیوں ہو۔"

یہ مسئلہ انقطاع ماسوی اللہ سے متعلق ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس طرح چاہے رکھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر کو سخت تنگ حالت میں چھوڑ دیا اور سپرد خدا کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو اسماعیل علیہ اسلام کے ساتھ لے جا کر ایسے جنگل میں چھوڑا جہاں زراعت وغیرہ بھی نہ تھی۔ بواد غیر ذی زرع جس کی شان میں ارشاد باری ہے اور خدا کے سپرد کر دیا اور ان میں اپنے کو مشغول نہ کیا اور اپنا دل اپنے رب حقیقی کی طرف رجوع کر لیا حتیٰ کہ ان دونوں کی مراد دو جہان میں پوری ہوئی بآنکہ بظاہر انہیں بحالت نامرادی میں چھوڑ دیا گیا تھا مگر وہ اپنے سب کام اپنے رب عزوجل کے سپرد کئے ہوئے تھے۔

اسی قسم کی بات وہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک پوچھنے والے کو فرمائی جبکہ آپ سے اس نے سوال کیا کہ پاکیزہ ترین علم کیا ہے؟ فرمایا غناء القلب باللہ۔ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ساتھ دل کا ہر شے سے مستغنی ہو جانا حتیٰ کہ دنیا کے نہ ہونے سے فقیر نہ ہو اور مال

کی کثرت کی وجہ میں مسرور نہ ہو۔اس قول کی حقیقت اسی فکر وصفوت کی طرف جاتی ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

تو اہل طریقت حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی پیروی حقائق عبارات ودقائق اشارات میں کرتے ہیں اور تجرید علوم دنیا وآخرت سے حاصل کرنے اور نظارہ تقدیر حق میں رہنا بھی انہی کی اطاعت کے ماتحت ہے اور لطائف کلام میں آپ کے مضامین اس قدر ہے کہ ان کی گنتی نہیں ہو سکتی اور اس کتاب میں میرا اروبیہ اختصار پر ہے۔ واللہ اعلم۔

❁ ❁ ❁

اسلامی نظام تعلیم کے تقاضے

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ظاہر شاہ بخاری

قوموں کی ترقی کا دارومدار نظام تعلیم پر ہوتا ہے۔ آج کل جو قومیں دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اگر ان کے پس منظر پر غور کیا جائے تو ایک مربوط نظام تعلیم نظر آنے گا جو کہ وہاں کی ثقافت اور جدید تقاضوں کے مطابق ہوگا۔ پاکستان کے حصول کے بعد ہم اس کو اسلامی نظریے پر مستحکم کیوں نہ کر سکے اس کا جواب اس کے علاوہ دوسرا نہیں ہو سکتا کہ ہمارا نظام تعلیم غیر ملکی اقتدار کا ایک ترکہ ہے چونکہ تعلیم ملکی ثقافت کا اظہار اور سوچ کا اندازہ ہوتا ہے اور ثقافت اور سوچ کسی سے مستعار نہیں لی جا سکتی۔

"اسباب بغاوت ہند" میں سر سید احمد خان مرحوم دیگر اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہاں کی تعلیم رعایا کے حسب حال نہ تھی (۱) یہی وجہ ہے کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی اور تاج برطانیہ کے پارلیمنٹ میں اکثر و بیشتر اسی پر لے دے رہتی تھی کہ ہندوستان کے لیے کیسا نظام تعلیم رائج کریں کہ ہندوستان کے لوگ ہمیشہ غلام ہی رہیں (۲)۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی رائے تھی کہ یہاں ایسا نظام تعلیم رائج ہو کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ بظاہر ہندوستانی ہو لیکن اندر سے انگریزوں کا ہمدرد ہو (۳)

ہندوستان کے لیے کیسا نظامِ تعلیم رائج کریں کہ
ہندوستان کے لوگ ہمیشہ غلام ہی رہیں

اگرچہ شروع میں کسی حد تک مسلمانوں کے اپنے نظام تعلیم کے اثرات قائم رہے لیکن جوں ہی وہ اثرات ختم ہوئے تو مسلمانوں کی حالت ابتر ہونی شروع ہو گئی اور اس دوران مسلمانوں کی حالت اس ڈوبنے والے شخص کی مانند تھی جس کے سامنے کوئی شخص کھڑا ہو اور وہ کبھی کبھی اس کو سہارا دیتا ہو مگر پھر چھوڑ دیتا ہو لیکن آزادی کے بعد ڈوبنے والے شخص کی موت و زیست کا انحصار خود اس کی رہی سہی قوت پر رہ گیا ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ مسلمان بغیر کسی سہارے کے خود اپنی قوت سے اس بھنور سے نکل کر خشک زمین پر آ پڑے اور اپنی زندگی شروع کرے (۴)

اور یہ جب ممکن ہے کہ اس کا اپنا نظام تعلیم و تربیت ہو کہ جس میں ہم اسلامی اصطلاحیں رائج کریں اور مستعار لی ہوئی اصطلاحوں سے دستبردار ہو جائیں شاعر مشرق اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں

اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احسان
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر (۵)

لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کی مذمت کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں۔

عقل تو زنجیری افکار غیر
در گلوئے تو نفس از تار غیر
بر زبانت گفتگوئے مستعار
در دل تو آرزوئے مستعار (۶)

پورے ملک میں ایک ہی نصاب رائج ہو اور یہی نظریہ پاکستان اور آئین پاکستان کا تقاضا ہے

ہم اسلامی اصطلاحیں رائج کریں اور مستعار لی ہوئی اصطلاحوں سے دستبردار ہو جائیں

کوئی تعلیم جامع اور مکمل نہیں ہو سکتی جس کا مقصد کیریکٹر کی اصلاح اور درستی نہ ہو

نصاب تعلیم کی اہمیت

تعلیم کسی قوم کی تہذیب وثقافت کا مظہر ہوتی ہے اور جس قوم کا نصاب قوم کی تہذیب وتمدن سے ہم آہنگ نہ ہو وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں علی گڑھ کالج میں وائسرائے ہند لارڈ کرزن کی آمد کا واقعہ قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہتے ہیں کہ جب انہوں نے لیکچر روم، ہوسٹل اور لائبریری کا معائنہ کیا تو اس کے بعد طلباء کے کمروں میں گئے اور ان کے صندوق کھلوائے تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ یہ کون سی کتابیں پڑھتے ہیں یعنی ان کا نصاب کیا ہے۔(۷)

نصاب تعلیم سے متعلق ضروری تجاویز

چونکہ نصاب تعلیم کا اولین مقصد قوم کو ایک دھارے میں لانا ہوتا ہے اس لیے کہ پورے ملک میں ایک ہی نصاب رائج ہو اور یہی نظریہ پاکستان اور آئین پاکستان کا تقاضا ہے۔

ذریعہ تعلیم کے حوالے سے بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کا یہ قول کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ زبان کی ترقی اور ذہنی ارتقاء ساتھ ساتھ ہوتی ہے اس سلسلے میں مادری زبان اور قومی زبان کو نہایت اہمیت حاصل ہے خصوصاً پرائمری تعلیم کے لیے مادری زبان نہایت ضروری ہے اس کے بعد قومی زبان اگر ذریعہ تعلیم بنایا جائے تو بڑے دانشور نکلتے ہیں جبکہ انگلش میڈیم اداروں سے سائنس دان اور بیوروکریٹس نکلتے ہیں اور یہ سب ایک معاشرے کے لیے بہت ضروری ہیں کیونکہ اسلام ایک معتدل دین ہے اور عیسائیت کے برعکس ہمیشہ دین ودنیا کے علوم کو یکساں اہمیت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے 750 مرتبہ کائنات پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے اور آج کل دنیا میں سائنسی ترقی اسلامی تعلیمات ہی کی مرہون منت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا جس سے ہمیں دیگر زبانیں سیکھنے کی رہنمائی ملتی ہے(۸) اور اسلام کی عالمگیریت کا اعتراف کرتے ہوئے مشہور انگریز فلسفی برنارڈ شا لکھتے ہیں:

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو بدلتے ہوئے حالات (۹) کا ساتھ دے سکتا ہے اور ہر نسل کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطی کے بڑے بڑے مدارس، جامعہ قیروان، افریقہ، الجامع الاعظم بغداد، الجامع الازہر مصر، جامعہ زیتونیہ تیونس اور جامعہ نظامیہ بغداد نے دینی اور دنیوی علوم کی برابر آبیاری کی اور کبھی دین ودنیا کو الگ نہیں کیا۔(۱۰)

زبان کی ترقی اور ذہنی ارتقاء ساتھ ساتھ ہوتی ہے

فلسفہ کو اسلامی نکتہ نظر سے مدون کیا جائے

نصاب تعلیم مرتب کرتے وقت ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے اپنی نئی نسل کو کیا بنانا ہے کیونکہ جن خطوط پر ہم ان کی تربیت کریں گے وہی توقع ہم ان سے رکھیں گے کیونکہ جو Input ہوگا ویسا ہی Output ہوگا۔(۱۱)

نصاب مرتب کرتے وقت درج ذیل نکات ذہن میں رکھنے چاہئیں۔

۱۔ طلبہ کی عمروں، ماحول اور نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

۲۔ کس طرح کا معاشی نظام ہمارے لیے ضروری ہے جس کی بدولت ہم دوسروں کی گرفت سے آزاد ہوں۔

۳۔ تاریخ کو کن خطوط پر استوار کیا جائے کہ ان تاریخی واقعات میں وحدت اور تسلسل پیدا ہو جائے۔

۴۔ فلسفہ کو اسلامی نکتہ نظر سے مدون کیا جائے۔

۵۔ اسلامی علوم کو جمود سے نکال کر جدید تحقیق کے حوالے سے پیش کیا جائے (۱۲)۔

نصاب میں مذہبی تعلیمات کی اہمیت

انسان جتنا بھی زندگی میں ترقی کرے اسے اخلاقیات سے چھٹکارا نہیں بلکہ یہ مادی ترقی بھی اخلاقیات پر مبنی ہے اور کوئی قوم اس وقت

تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ روحانی طور پر ترقی یافتہ نہ ہو۔ کئی مسائل اور روحانی بیماریاں ہیں مثلاً بغض، حسد، کینہ وغیرہ جس کا علاج مذہب کے علاوہ کسی کے پاس نہیں بالالفاظ دیگر جذبات کی تربیت صرف اور صرف مذہب کرتا ہے اور وہ جذب و وجدان ہی سے انسان عبارت ہے۔

امریکی سکولوں میں اگرچہ ایک عرصے تک مذہبی تعلیم پر پابندی لگائی گئی تھی لیکن جب معاشرتی بُرائیاں زیادہ ہوگئیں تو مجبوراً انہوں نے مذہبی تعلیمات کو سکولوں میں رائج کر دیا۔ اسلامی فلسفہ تعلیم کے مصنف ان حالات کا ذکر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

But the situation is gradually changing even in the United States there is wilnessed a rising tendency to include religion in the school.

ممتاز ماہر تعلیم سید امیر مذہبی تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کوئی تعلیم جامع اور مکمل نہیں ہو سکتی جس کا مقصد کیریکٹر کی اصلاح اور درستی نہ ہو'' (۱۴)

اگر حکومت چاہتی ہے کہ معاشرے کی اصطلاح ہو جائے اور اسلامی نظریہ پاکستان کے مطابق قوم کی تعلیم و تربیت ہو جائے تو اسلامیات کو نصاب کا اہم جز بنایا جائے کیونکہ جب تک پاکستان قوم کے جذبات اور احساسات کی اصلاح نہ ہو وہ کبھی ایک معتدل قوم (Moderate nation) نہیں بن سکتی اور مذہب کے علاوہ اصلاح معاشرہ ممکن نہیں۔ (۱۵)

حوالہ جات

۱۔	سید محمد طفیل منگلوری	مسلمانوں کا روشن مستقبل	صفحہ ۱۲۱
۲۔	......ایضاً......		صفحہ ۱۰۰
۳۔	......حوالہ بالا......		
۴۔	......حوالہ بالا......		
۵۔	علامہ محمد اقبالؒ	بانگ درا	بحوالہ کلیات اقبال (اردو)
۶۔	علامہ محمد اقبالؒ	پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق	بحوالہ کلیات اقبال (اردو)
۷۔	معزامجد	مقالہ تعلیم و تعلم	ماہنامہ اشراق المورد لاہور مئی 1996ء
۸۔	ڈاکٹر محمد فاروق خان	پاکستان اکیسویں صدی میں	ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی 1991ء
۹۔	ڈاکٹر غلام جیلانی	برق الحاد مغرب اور ہم	علماء اکیڈمی لاہور
۱۰۔	ڈاکٹر محمد قاسم مظہر ڈپٹی ایجوکیشن ایڈوائزر	دینی مدارس کی جامع رپورٹ 1988ء	شائع کردہ وزارت تعلیم، اسلام آباد
۱۱۔	پیر کرم شاہ الازہریؒ کا پشاور میں کالج کے طلبہ سے خطاب 1982ء		راقم الحروف اس موقع پر موجود تھا۔
۱۲۔	سید محمد طفیل منگلوری	مسلمانوں کا روشن مستقبل	صفحہ ۱۰۰
۱۳۔	Islamic Phsycology of education		صفحہ (۳۱)
۱۴۔	آغا حسین ہمدانی	آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے خطبات 1986ء	
۱۵۔	...... ایضاً		

✿ ✿ ✿

اچھے شعر کی خوبیاں

حافظ شیخ محمد قاسم

مولانا الطاف حسین حالی اپنی معروف کتاب "مقدمہ شعروشاعری" میں "اچھے شعر" کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اچھا شعر سادہ ہوتا ہے اس میں جوش پایا جاتا ہے، اور اس میں معصومیت، حقیقت اور اصلیت کا پرتو لیے ہوتی ہے۔۔۔ بلاشبہ اشعار کا حسن ان تین چیزوں کا محتاج ہوتا ہے اور نثر اور بیان ان تین حقائق سے لبریز ہوں تو محفل، شخصیت اور تاثر کے رنگ اعجاز ادب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔ سید ریاض حسین شاہ صاحب شاعر نہیں لیکن ان کی زندگی اور اُن کی محفلیں خوبصورت اشعار کی طرح لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے رکھتی ہیں اُن کے سننے والے جب اُن کی محفل میں ہوں تو دم بخود ہوتے ہیں ہزاروں کا مجمع لگتا ہے چند نفوس کسی خیمہ میں بیٹھ کر تماشائے حسن کر رہے ہیں۔

خیابان سرسید کی مسجد کبیر میں محفل کا رنگ عروج پر تھا۔ شاہ جی نے اپنی ذاتی زندگی سے نقاب کشائی فرمائی، گفتگو ہو رہی تھی حضور انور ﷺ کی مہر نبوت پر آپ تشریح فرمارہے تھے۔ بخاری کی ایک حدیث کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت ایسی تھی جیسے "زرالحجلہ" چھپر کھٹ کی گھنڈی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا اسے "زرالحجلہ" پڑھا جائے تو مفہوم ہوتا ہے "چکور کا انڈا" آپ نے بڑی برجستگی کے ساتھ چکور کی صفات بیان فرماتے ہوئے ایک چھوٹی سی کہانی سنائی۔

اس کے انڈوں کی وجہ سے حضور ﷺ کی مہر نبوت کو ان سے تشبیہ دی گئی

"جب میں گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتا تھا یہ ان دنوں کی بات ہے گھر میں غربت اور افلاس نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ صبح صبح مکئی کی باسی روٹی قہوہ کے ساتھ کھا کر ککوتری سکول جاتے۔ واپسی پر اندھیرا چھا جاتا، اس لیے کہ پیدل سفر کرنا پڑتا والد صاحب گھر نہ تھے اس لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ گھر کا کام کاج بھی کرنا پڑتا۔ ایک دن سودا سلف لینے کے لیے جرل گیا۔ میرے ایک ہم نام نے چائے کی دعوت دی، چائے پینے لگا تو دفعتہً آنکھوں سے آنسو آ گئے، میزبان نے استفسار کیا "پیر جی روتے کیوں ہیں"؟ میں نے بلا تکلف کہہ دیا کہ آجکل والد صاحب گھر نہیں اور مصروفیت کی وجہ سے دودھ دینے والے جانور نہیں اور رشتہ دار ایثار سے محروم ہیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے میرے میزبان دوست کے والد نے بکری کھول کر مجھے تھما دی اور کہا پیر جی اگر آپ یہ بکری لے کر گھر نہ گئے تو میری بیوی مجھ پر تین شرط طلاق ہے"۔

ہمارا گاؤں کوثالی جرل سے تقریباً پانچ چھ کلومیٹر دور ہوگا۔ عشاء کے وقت ایک ننھے سے بچے نے پچیس تیس کلو سامان سر پر اٹھایا اور بکری کی رسی ہاتھ میں لے کر گاؤں کی طرف نکلا تو موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ ہائے وہ رات کا اندھیرا اور بجلی کی کڑک، گونجتے پہاڑ اور خوف و ہراس کا پیغام دیتے کوہستانی درخت، برگد کے درخت کے نیچے اس کے تنے سے چپک کر دو گھنٹے گذارے، مینہ کھل کر برسا۔ بارش کچھ تھمی تو میں سامان اٹھائے بکری کے ساتھ گھر کی طرف نکلا تقریباً دو کلومیٹر چلا ہوں گا کہ گھٹائیں چھٹ گئیں اور چاند نے اپنا چہرہ دکھایا۔ اچانک میرے قدموں سے کوئی چیز نکلی اور سیدھی چاند کی طرف بڑھی، اڑان لینے میں اتنی خوفناک آواز پیدا ہوئی کہ میں سہم گیا بعد میں معلوم ہوا کہ چکور کا جوڑا تھا جو چاند کی روشنی سے مسحور ہو کر اس کی طرف سیدھی پرواز لے رہا تھا۔۔۔

ان کی زندگی اچھے اشعار کی طرح اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے

میزبان نے استفسار کیا "پیر جی روتے کیوں ہیں؟"

اڑان لینے میں اتنی خوفناک آواز پیدا ہوئی کہ میں سہم گیا

شاہ جی نے بتایا کہ چکور کی دو قسمیں ہوتی ہیں نجدی اور تہامی نجدی کا رنگ سبز اور ٹانگیں سرخ ہوتی ہیں جب کہ تہامی سبز اور سفید دونوں

رنگوں میں ہوتے ہیں۔ تناول ہزارہ کی طرف چکور کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ چکور کی مادہ حاملہ ہونے کا ارادہ کرے تو مٹی میں لپٹ جاتی ہے۔ بعض شکاری کہتے ہیں کہ یہ نر کی آواز سے حاملہ ہو جاتی ہے۔ چکور کے انڈوں کو نر سیتا ہے جبکہ مادہ انڈوں کو مادہ ہی سیتی ہے، نر چکور بڑا غیور جانور ہوتا ہے اگر کوئی دوسرا نر چکور اس کی مادہ کی طرف بڑھے تو اتنی سخت لڑائی کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس کے انڈے بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ اطبا نظر کے دھندلے پن کے لیے چکور کا پتا بطور سرمہ استعمال کرواتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کو بھنا ہوا چکور پیش کیا گیا اس کے لیے عربی میں نحام اور حجل نام مستعمل ہیں۔ اس کے انڈوں کی وجہ سے حضور ﷺ کی مہر نبوت کو ان سے تشبیہ دی گئی چکور کے انڈے میں نے پہلی بار اسی جگہ دیکھے۔ شاہ جی نے اچانک گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا اور یوں محفل ذکر شروع ہو گئی۔ اللہ اکبر

۞ ۞ ۞